دورِ حاضر میں اسلامی معیشت کے نفاذ کے لیے
اداروں کی کوششوں کا فکری و فقہی منہج

اسلامی معاشیات
بنیادی خاکہ

تحریر
مجلسِ تحقیقِ مسائلِ حاضرہ

ترتیب و تدوین
حضرت مولانا محمد ادریس میرٹھی رحمہ اللہ

دورِ حاضر میں اسلامی معیشت کے نفاذ کے لیے

اسلامی اداروں کی مشترکہ تجاویز

اسلامی معاشیات

بنیادی خاکہ

تحریر

مجلس تحقیق مسائل حاضرہ

ترتیب و تدوین

حضرت مولانا محمد ادریس میرٹھی رحمہ اللہ

صدر وفاق المدارس العربیہ پاکستان

استاذ حدیث جامعہ علوم اسلامیہ

[illegible]

مکتبہ بینات

جامعۃ العلوم الاسلامیہ

علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

مسئلہ کے سامنے رکھا اور ان کی راہنمائی فرمائی۔

اس تمہید کی تفصیل یہ ہے کہ تقریباً ۲ مارچ ۱۹۶۹ء کو اکابر علماء حق کا ایک مشترکہ اجتماع ہوا جس میں دیگر اہم مباحث کے علاوہ ملک کی سنگین معاشی صورتحال کی نقصی نوعیت پر بھی بحث و تمحیص ہوئی اور بڑی شدت سے یہ محسوس کیا گیا کہ اسلام کے نام پر بننے والے ملک عزیز کا معاشی نظام ظلم و استحصال کی چکی بن کر غریبوں کو پیس رہا ہے، دولت کی تقسیم و گردش کے اس غیر متوازن نظام نے معاشرے کو بگاڑ کر رکھ دیا ہے، ایک طبقہ دولت کی بہتات اور ریل پیل میں مست ہے اور دوسری طرف عام طبقہ زندگی کی بنیادی ضروریات اور وسائل معاش سے بھی محروم ہے۔ اس اجتماع میں یہ طے ہوا کہ اس صورتحال سے نجات کے لئے اسلامی معیشت کے عنوان سے ایک اسلامی خاکہ تیار کیا جائے۔ حضرت علامہ بنوری رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

”عرصہ ہوا کہ حضرت مولانا عبدالہادی دین پوری کی دعوت و تحریک پر ایک مختصر اجتماع ہوا تھا، اجتماع کا اساسی مقصد جماعت تنظیم اہل سنت، مجلس ختم نبوت، جمعیت علماء اسلام اور احرار اسلام کے درمیان اتحاد تھا، ان جماعتوں کی مشترکہ مجلس عمل وجود میں آئی تھی، جس کا مقصد اسلامی جماعتوں کا مشترکہ لائحہ عمل تیار کرنا تھا۔ یہ اجتماع اس تاریخی دن ہوا جس کی شام کو ایوب خان کے اقتدار کا آفتاب غروب ہوا اور صدر یحیٰی کے مسند اقتدار پر جلوہ افروز ہونے کا اعلان نشر ہوا۔

اس اجتماع میں ایک بات یہ طے ہوئی تھی کہ اسلامی معاشیات پر ایک اسلامی خاکہ تیار کیا جائے، اس کام کے لئے حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب، مولانا مفتی محمود صاحب، مولانا مفتی ولی حسن صاحب، مولانا مفتی رشید احمد صاحب اور راقم الحروف کے نام تجویز ہوئے۔ راقم الحروف کی دعوت پر مدرسہ عربیہ اسلامیہ کراچی میں یہ اجتماع طے پایا، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کی علالت کی بنا پر ان کے دو صاحبزادگان برادر محترم مولانا محمد رفیع

صاحب اور مولانا محمد تقی صاحب کو ان کی نیابت کے طور پر شرکت کی دعوت دی گئی، خالص علمی و دینی انداز سے کام شروع ہوا اور ابتدائی خاکہ دس دن میں تیار ہوا، مولانا مفتی محمود صاحب سے جو سابق حسن ظن تھا کہ وہ فقہی بصیرت میں امتیازی خصوصیت رکھتے ہیں، اس موقع پر اس کا خوب خوب مشاہدہ ہوا"۔ [بینات ربیع الثانی ۱۳۹۰ھ]

اس مجلس تحقیق و تدوین کی کارکردگی اور مجلس کی روئیداد کے بارہ میں حضرت مولانا محمد ادریس میرٹھی نور اللہ مرقدہ (جو اس مجلس کی روئیداد کے مرتب بھی ہیں) تحریر فرماتے ہیں:

"گزشتہ سال ماہ مئی (۱۹۶۹ء) میں اسلام کے معاشی نظام کی تدوین و ترتیب اور اس پر ایک مستقل کتاب کی تصنیف سے متعلق حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوری مدظلہ کی دعوت پر مدرسہ عربیہ اسلامیہ کراچی میں منعقد ہونے والی دہ روزہ مجلس تحقیق مسائل حاضرہ کی سائیکلوسٹائل شدہ اجمالی رپورٹ اور طے شدہ بنیادی معاشی مسائل پیش کرتے ہیں، جو صرف ملک کے سربرآوردہ علماء کرام اور مفتیان عظام سے استصواب رائے کی غرض سے تیار کی گئی تھی، نہ کہ عام اشاعت کی غرض سے۔

واضح رہے کہ اس دہ روزہ "مجلس تحقیق مسائل حاضرہ" میں جن حضرات نے دس دن مسلسل شب و روز کام کیا ہے، ان کے نام یہ ہیں:

① حضرت مولانا مفتی محمود صاحب از مدرسہ قاسم العلوم ملتان۔

② حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کی نیابت میں ان کے ہر دو صاحبزادے مولانا محمد رفیع صاحب و مولانا محمد تقی صاحب، یہ دونوں حضرات دن بھر کی تمام کارروائی سے حضرت مفتی صاحب کو آگاہ کیا کرتے تھے، تاکہ آپ اس مجلس کی کارروائی سے باخبر رہیں۔

③ مفتی رشید احمد صاحب از مدرسہ اشرف المدارس ناظم آباد کراچی۔

④ مفتی ولی حسن صاحب از مدرسہ عربیہ اسلامیہ کراچی۔
⑤ حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوری مدظلہ بحیثیت نگران وحکم تقریباً ہر نشست میں موجود رہتے تھے۔
⑥ اور مجلس کی کارروائی کو ضبط کرنے کی غرض سے خادم بھی موجود رہا۔
⑦ نیز بحیثیت قانونی مشیر ایڈووکیٹ محمد اقبال بھی حسب فرصت موجود رہتے تھے۔

فقہ، افتاء اور قضاء سے متعلق تمام قدیم وجدید اور متداول وغیر متداول کتابوں کی کامل دس دن تک شب وروز ورق گردانی اور ایک ایک مسئلہ پر گھنٹوں بحث وتحقیق کے بعد اسلامی معاشیات سے متعلق یہ چند بنیادی مسائل متفقہ طور پر طے پائے اور مستند علماء وارباب فتویٰ کے پاس بغرض استصواب رائے بھیجنے کے لئے مرتب کئے گئے کہ ان کی روشنی میں اسلامی نظام پر پیش نظر کتاب مرتب کی جاسکے"۔ (ترجمان اسلام ۲۶ مارچ ۱۹۷۰ء)

جیسا کہ مندرجہ بالا اقتباس سے معلوم ہوا کہ اسلامی معیشت کی تدوین وترتیب کے سلسلے میں حضرت بنوری رحمہ اللہ کی دعوت پر دس روزہ مجلس کا انعقاد آپ کے ادارے میں ہوا، اور حضرت بنوری رحمہ اللہ نے اس مجلس کی ضرورت واہمیت اور کارگزاری پر مشتمل "ماہنامہ بینات" میں ایک مفصل اداریہ تحریر فرمایا (جو اس کتاب میں مقدمے کے طور پر شامل ہے) حضرت بنوری رحمہ اللہ اس اداریے کے آخر میں اس کتاب کی تحریر وتدوین کے متعلق فرماتے ہیں:

"اس شدید وقتی تقاضے کے پیش نظر مدرسہ عربیہ اسلامیہ نے چاہا کہ علمی انداز سے اسلامی معاشیات پر ایک مفصل کتاب مدون ہو جائے جو قرآن واحادیث وفقہاء امت کے ارشادات اور تاریخ اسلام کی روشنی میں مرتب ہو، جس میں نہ خدا فراموش سوشلزم یا کمیونزم کے جراثیم ہوں، نہ دین فراموش سنگدل سرمایہ دارانہ ذہنیت کارفرما ہو، اس لئے ضرورت تھی کہ چند مستند

علماء ایک جگہ بیٹھ کر اس کام کا خاکہ تیار کریں، چنانچہ پہلے مرحلہ پر جن حضرات کو جمع کیا گیا راقم الحروف کے علاوہ ان کے اسماء گرامی حسب ذیل ہیں:

مولانا مفتی ولی حسن ٹونکی صاحب، مولانا مفتی رشید احمد صاحب، مولانا مفتی محمود صاحب (ملتان)، مولانا محمد رفیع صاحب مدرس دارالعلوم کراچی، مولانا محمد تقی صاحب مدرس دارالعلوم و مدیر البلاغ، جناب محمد اقبال صاحب ایڈوکیٹ۔

اس اجتماع میں مزارعت، احیاء موات اور زرعی مسائل سے متعلق ایک مختصر خاکہ تیار کیا گیا تھا، جس کی حیثیت بھی صرف استفتاء ہی کی ہو سکتی ہے، نہ اس کی کتابی تدوین و ترتیب تھی، نہ وہ آخری رائے تھی، بلکہ نا تمام خاکہ تھا جو سائیکلو سٹائل کر کے شائع کیا گیا تھا، تاکہ اسے علماء کے پاس بھیجا جا سکے اور اس کی اشاعت کی غرض بھی یہی تھی، لیکن بعض غرض حضرات نے اس کو آخری فیصلہ سمجھا، اس سے اپنا الو سیدھا کرنے کی کوشش کرنے لگے، یہ جلد بازی ہے، دوسرے مرحلے پر شرکاء مجلس کچھ کم ہو گئے اور کتاب کے مختلف ابواب تجویز کر کے کام تقسیم کر دیا گیا اور حسب ذیل حضرات اس پر کام کر رہے ہیں:

① مولانا مفتی ولی حسن صاحب، مدرسہ عربیہ اسلامیہ کراچی۔
② مولانا محمد ادریس صاحب، مدرسہ عربیہ اسلامیہ کراچی۔
③ مولانا مفتی رشید احمد صاحب، اشرف المدارس کراچی۔
④ مولانا محمد تقی صاحب، دارالعلوم کراچی۔

یہ کام جاری ہے، تکمیل تک نہیں پہنچا، حق تعالیٰ جلد اس کی تکمیل کرائے، پھر بھی یہ آخری رائے نہ ہوگی، علماء کو تبصرہ و تنقید کا موقع دیا جائے گا، ہو سکتا ہے کہ جرح و تعدیل کے بعد اس کو آخری شکل دی جا سکے، ضرورت تھی

کہ اس صورت حال کو واضح کر دیا جائے، جو کہ بعض معاصر رسالوں میں جو ابتدائی خاکہ شائع ہو گیا ہے، اس کو علماء کی آخری رائے نہ سمجھا جائے۔ وباللہ ولی التوفیق"۔

بینات جمادی الاولیٰ، اگست ۱۹۶۹ء

یہ ان بزرگوں کی کسر نفسی اور تواضع تھی کہ یہ حضرات علماء کے مرجع اور سب کے متفق وممدوح ہونے کے باوجود بھی اجتماعی واتفاقی کوشش کو آخری اور حتمی رائے قرار نہیں دے رہے، گو کہ اس کی بجا طور پر گنجائش بھی ہے، تاہم ان کی اس تحریر کے بارے میں یہ کہنا قرین حق وصواب معلوم ہوتا ہے کہ اسے علماء کے درمیان وہی حیثیت حاصل ہے جو کہ آئین میں ۱۹۷۳ء کے آئین کو حاصل ہے۔ اس لئے کہ اس تحریر کی ترتیب وتدوین اور اعلان وتصویب پر مجلس میں شریک تمام علماء کرام کا اتفاق تھا، اسی بنا پر ان سب کے اس تحریر پر دستخط ہوئے ہیں۔ آج بھی اگر علماء حق، اسلامی معیشت کے اس فکری وفقہی منہج پر متفق ہو جائیں تو کسی قصہ کے لئے کوئی مانع نہیں ہو سکتا۔ فبھداھم اقتدہ

اس کتاب میں صرف معیشت کے عنوان سے مضامین جمع کئے گئے ہیں، جو مجلس کی روئیداد کے مرتب حضرت مولانا محمد ادریس میرٹھی رحمہ اللہ کے فیض قلم سے نکلے اور "ماہنامہ بینات" میں سات قسطوں میں شائع ہوئے تھے، ان آٹھ مضامین کو پہلی مرتبہ کتابی شکل میں منظر عام پر لایا جا رہا ہے۔ اس کتاب کی طباعت واشاعت کے اہم مقاصد یہ ہیں:

① اس کتاب کا اولین مقصد یہ ہے کہ اکابر کی یہ علمی وتحقیقی امانت جو اب تک صرف ماہنامہ بینات کی فائلوں میں محفوظ تھی، اہل علم واہل تحقیق تک پہنچ جائے۔

② اسلامی معیشت کے حوالے سے ماخذ کے طور پر اس سے استفادہ کیا جائے، کیونکہ اس میں اسلامی معیشت کے راہرووں کے لئے بیش بہا رہنما اصول موجود ہیں۔

③ پیش نظر کتاب میں اسلامی معیشت کے موضوع پر اکابر کے فکری وفقہی منہج کو خوب واضح اور مدلل طور پر بیان کیا گیا ہے، چنانچہ اس فکری وفقہی منہج کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حضرت بنوری رحمہ اللہ ارشاد فرماتے ہیں:

"معاشی علوم ہوں، یا معیشت کے نکات، اقتصادی نظام ہو یا مال و دولت کمانے کا طریقہ قرآن کریم کا دامن ان سے متعلق ہدایات سے لبریز ہے۔ یہ حقائق سب صحیح، سب درست ہیں، کسی کو مجال انکار نہیں، لیکن اسلام کو موجودہ معاشی تحریکوں پر منطبق کرنا، اس کی سراسر مادی تعبیر پیش کرنا اور کھینچ تان کر نصوص سے وہی کچھ منوانا جو آج کے معاشیین کہتے ہیں، بدترین غلطی اور مقام نبوت سے بے خبری کی دلیل ہے۔ وحی الٰہی اور نبوت و رسالت کا حقیقی منصب ان حقائق الٰہیہ کو بیان کرنا ہے، جن کے ادراک سے انسانی عقول قاصر ہیں، جہاں تک نہ عقل افلاطون پہنچا ہے نہ ارسطو کا فلسفہ، نہ یونان کے حکماء پہنچے ہیں نہ دور حاضر کے قانون داں نہ کسی کو اس کی ہوا لگی ہے نہ لیتی نو"۔

[بینات، ربیع الاول ۱۳۸۹ھ]

(۴) عوام الناس کو معلوم ہو جائے کہ علمائے کرام ہر دور میں اور ہر معاملے میں امت مسلمہ کی رہبری و راہنمائی کا فریضہ سرانجام دیتے آئے ہیں، تاکہ کسی کو یہ کہنے کا موقع نہ ملے کہ علمائے کرام اسلامی معیشت کا خاکہ پیش نہیں کرتے، یا مسلمان تاجروں کو حرام کا متبادل نہیں بتاتے، یا مغربی معیشت کی دلدل سے نکالنے کے لئے مسلمان تاجروں کی دستگیری نہیں فرماتے۔

(۵) اس کتاب کو ملک کے اکابر علماء کرام اور مفتیان عظام کی اجتماعی و اتفاقی کاوش کا درجہ حاصل ہے، جیسا کہ اوپر گزر چکا کہ اہل حق کی تمام جماعتوں کے اکابر کے اجتماع میں منتخب اکابر کی ایک جماعت تشکیل پائی، جس میں حضرت مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع صاحب، حضرت مفتی محمود صاحب، حضرت مفتی ولی حسن ٹونکی صاحب، حضرت مفتی رشید احمد صاحب اور محدث العصر حضرت بنوری رحمہم اللہ بطور حکم سربراہ تھے، آگے چل کر اس جماعت میں کمی بیشی بھی ہوئی۔

خلاصہ یہ کہ اس کتاب سے جہاں اسلامی معیشت کے بنیادی اصول و قواعد کی رہنمائی ملتی ہے، سرمایہ داروں کی بجائے اسلامی احکام کی رعایت نظر آتی ہے، اشتراکی جرائم اور سرمایہ

دارانہ ذہنیت سے پاکیزگی و عمدگی دیتی ہے، اور اسلامی معیشت کے نفاذ میں اصل رکاوٹ کی نشاندہی ہوتی ہے، وہاں یہ فیصلہ بھی آسانی ہو جاتا ہے کہ "مجلس تحقیق مسائل حاضرہ" یا ہمارے اکابر اسلامی معیشت اور اسلامی بینکاری کا کیا تصور رکھتے تھے؟ بلا سود بینکاری کے بارے میں وہ کیا سمجھتے تھے؟ انہوں نے کیا کہا اور کیا لکھا تھا؟ انہیں کیا توقعات تھیں اور کن چیزوں اور اداروں نے انہیں مایوس کیا؟ مزید برآں یہ بھی معلوم ہوگا کہ اسلامی معیشت یا اسلامی بینکاری کے حوالے سے اکابر کا منشا و منہج کیا تھا اور ان کی کوششیں و کاوشیں کیا تھیں؟

اللہ تعالیٰ ہمیں صدق دل سے اسلام کی حقانیت کو سمجھنے، سمجھانے اور اکابر کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے اور ہر قسم کے زیغ و ضلال سے محفوظ فرمائے۔ مزید یہ کہ اللہ تعالیٰ اس محنت و کاوش کو اپنی بارگاہ میں شرف قبولیت بخشے اور مجلس تحقیق مسائل حاضرہ کے تمام شرکاء بالخصوص اس مسودہ کے مرتب حضرات کے لئے اسے صدقہ جاریہ بنائے۔

آمین بحرمۃ النبی الکریم ﷺ وعلی آلہ وصحبہ اجمعین

سید سلیمان یوسف بنوری

نائب رئیس جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی

۲۸/۸/۱۴۲۱ھ

۲۵/۱۱/۲۰۰۰ء

فہرست مضامین

مقدمہ

اسلامی معاشیات بنیادی خاکہ

محدث العصر حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری نور اللہ مرقدہ

کسی موسم کی اچانک اور غیر معمولی تبدیلی کمزور طبائع کے لئے ہیجان و اضطراب کا باعث بن جاتی ہے، بعض کے لئے موت کا پیغام لاتی ہے اور بعض کے لئے مختلف امراض کا پیش خیمہ ثابت ہوتی ہے۔ کسی مریض پر اگر بحرانی کیفیت طاری ہو جائے اور اس کی حالت بگڑتی نظر آنے لگے تو اس کے گھر والوں، تیمارداروں اور معالجوں کی توجہ ہر طرف سے ہٹ کر مریض پر جم جاتی ہے، وہ نہ صرف اپنا سب کاروبار بھول جاتے ہیں بلکہ یہ حادثہ انہیں انسان کی طبعی ضروریات سے بھی غافل کر دیتا ہے اور اہم سے اہم شغل ثانوی حیثیت اختیار کر لیتے ہیں، بالکل یہی حال اس وقت عالم انسانیت کا ہے، وہ اپنی تمام خوبیوں کے باوصف پیدائشی طور پر کمزور طبیعت واقع ہوئی ہے ﴿وخلق الانسان ضعیفا﴾ (۱) مال و جاہ کی محبت اس کا موروثی مرض ہے، مادیت کے مختلف موسموں کی تبدیلی کے زیر اثر وہ بہت سے امراض کا شکار رہا ہے اور نت نئے فکری علتوں اور بیماریوں نے اس کی فطرت مسخ کر دی ہے، ادھر کچھ مدت سے اسے "اشتراکی حادثہ" بھی پیش آ گیا ہے جس کے نتیجہ میں اس پر بحرانی کیفیت طاری ہے اور وہ موت و حیات کی

---

(۱) النساء آیت ۲۸۔

کشمکش میں گرفتار ہے۔ انسانیت کے غم خواروں، ہمدردوں اور مصلحوں کی تمام تر توجہات کا مرکز اس وقت "مسئلہ شکم" بنا ہوا ہے چنانچہ آج کل تمام عالم میں عموماً اور دولت خداداد پاکستان میں خصوصاً "معاشی نظام" کا ایک اچھا خاصہ ہنگامہ برپا ہے گویا دنیا میں دوسرا کوئی مسئلہ ہی نہیں رہا، اگر دینی سطح پر دیکھیے تو اسلام کے معاشی نظام، تقسیم دولت، گردش دولت وغیرہ وغیرہ مسائل پر گرما گرم بحثیں ہیں اور اخبار و جرائد میں مضامین و مقالات کا ایک طومار نظر آتا ہے، اگر سیاست کے میدان میں آیئے تو ایک شور برپا ہے کہیں مساوات کے نعرے ہیں، کہیں سوشلزم کی دہائی ہے، کہیں اسلام کی پیوندکاری ہے، کہیں مزدوروں کا نام استعمال کیا جا رہا ہے گویا تمام عالم میں صرف ایک ہی مسئلہ ہے اور وہ ہے پیٹ کا مسئلہ اور دنیا کی ساری تگ و دو کا محور بس ایک پیٹ ہے، دوسری طرف سرمایہ داری نازک حالت میں ہے، سرمایہ دار سراسیمہ ہیں، اور سرمایہ داروں کی حمایت کرنے والے حکمران بدحواس ہیں اور چاہتے ہیں کہ کسی طرح جلد سے جلد پیٹ کا مسئلہ حل ہو جائے تو انہیں سکون و اطمینان کا سانس نصیب ہو، تیسری طرف جاہلیت کی علمبردار انقلابی پارٹیاں اور اسلامی ممالک میں ریشہ دوانی کرنے والی طاقتیں اس صورت حال سے فائدہ اٹھا رہی ہیں اور حکومتوں کے لئے مشکلات پیدا کر رہی ہیں۔

بلاشبہ اس صورت حال کا اصلی سبب تو وہ تنگدلی اور بے دردی ہے جو فقراء و مساکین کے ساتھ برتی گئی ہے اور وہ غلط نظام حکومت ہے جس نے رعایا کے پسماندہ افراد کی خبر گیری کے بجائے انہیں مختلف طریقوں سے استحصال کا نشانہ بنایا ہے اور ان سب سے بڑھ کر وہ بے ہودہ نظام معیشت ہے جس نے چیکاری، قماربازی اور ساہوکاری کے ذریعہ معاشرے کا توازن بگاڑ کر رکھ دیا، ایک طبقہ کو دولت کی فراوانی کا تخمہ (بدہضمی) ہے اور دوسری طرف عام طبقہ زندگی قائم رکھنے کے لئے بنیادی وسائل سے بھی محروم ہے، یہ صورت حال یقیناً خدا فراموشی کی سزا ہے جو قوموں اور حکومتوں کو مل رہی ہے، لیکن بعض لیڈروں کے غلو کی بھی انتہا ہو گئی ہے کہ انہیں تمام اسلام اور سارے قرآن کریم میں سوائے اس مادی نظام کے اور کچھ نظر ہی نہیں آتا، اس سلسلہ میں قرآن

کریم کی آیات کی تحریف وتبدیل سے بھی یہ لوگ نہیں ڈرتے اور بلاخوف وتردید نہایت صفائی کے ساتھ قرآنی مفہومات اور حقائق کو مسخ کرکے آج کل کی نام نہاد "مساوات" کے دلائل پیش کئے جارہے ہیں، کوئی سورۂ نحل کی آیت: ﴿واللہ فضّل بعضکم علی بعض فی الرزق فما الذین فضلوا برادی رزقهم علی ما ملکت أیمانهم فهم فیه سواء﴾ [1] سے مساوات کیلئے استدلال کرتا ہے اور کوئی سورۂ حم سجدہ کی آیت: ﴿وقدر فیها أقواتها فی أربعة أیام سواء للسائلین﴾ [2] میں تحریف کررہا ہے حالانکہ پہلی آیت تفاضل اور عدم مساوات کے لئے نص صریح ہے اور دوسری آیت کا اس موضوع سے تعلق ہی نہیں، کوئی ﴿نحن قسمنا بینهم معیشتهم﴾ [3] سے غلط استدلال کرکے مساوات کا نتیجہ نکال رہا ہے اور تعجب ہے کہ بعض مشاہیر اہل قلم بھی ان غلط فہمیوں میں بھٹک رہے ہیں اور اس سے بڑھ کر حیرت کی بات یہ کہ بعض اہل حق کی جماعت سے وابستہ لوگ اس غلط فہمی کا شکار ہوگئے ہیں۔

بلاشبہ معاشی اور مالی نظام عالم کون وفساد کے لئے ریڑھ کی ہڈی ہے اور حق تعالیٰ نے معاشرے کے اس مادی نظام کی اصلاح کے لئے ایک مستقل رسول حضرت شعیب علیہ الصلوٰۃ والسلام جیسی جلیل القدر شخصیت کو مبعوث فرمایا ہے جنہوں نے خرید وفروخت اور تجارتی لین دین میں ظالمانہ، غیر عادلانہ اور بے رحمانہ نظام معیشت کی اصلاح کے لئے پیغمبرانہ دعوت دی اور شاید تاریخ انسانیت میں یہ سب سے پہلا ظالمانہ معاشرتی نظام تھا کہ آسمانی وحی کے ذریعہ اصلاح کی دعوت دی گئی اور اسے تسلیم نہ کرنے پر بارگاہ قدس کی عدالت سے اس قوم کی تباہی کا فیصلہ کیا گیا، قرآن کریم کی ایک مستقل صورت کا موضوع ہی لین دین میں کمی اور نقصان کرنے والوں کی بد

---

[1] النحل آیت ۷۱۔

[2] السجدۃ آیت ۱۰۔

[3] الزخرف آیت ۳۲۔

تعلیمات میں ایسی جامعیت و رزانت اور اعتدال و میانہ روی ہے کہ عصر حاضر کی ہمہ نوع اصلاحی تحریکیں اس کی گرد کو بھی نہیں پا سکتیں۔ قرآن کریم اگرچہ جدید اصطلاح میں دستور یا قانون کی کتاب نہیں ہے جسے قانون دفعات پر مرتب کیا گیا ہو لیکن اس میں انسانیت کے تمام اہم تر مسائل کی طرف اصولی اشارات دیئے گئے ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مبارکہ اور سیرت طیبہ میں متشکل ہو کر سامنے آئے ہیں۔ خلافت راشدہ کی تجربات اور فقہاء امت کی تحقیقات کے بعد وہ ایسا کامل و مکمل دستور ہے کہ دنیا کا کوئی دستور نہ اس کی ہمسری کر سکا ہے ورنہ کر سکے گا۔

واضح رہے کہ قرآن کریم کے ارشادات و تعلیم نبوت کے دو حصے ہیں:

ایک حصہ تو ان شرعی احکامات کا ہے جن کا درجہ قانون کا ہے جس میں کوتاہی کرنے پر نہ صرف یہ کہ "اسلامی حکومت" گرفت کر سکتی ہے، بلکہ ایسا شخص شرعی اصطلاح میں عاصی اور گنہگار بھی ہے جس کے لئے آخرت کی سزا و عقوبت کی دھمکی دی گئی ہے، زکوٰۃ، عشر، صدقہ فطر اور دیگر صدقات واجبہ اسی شعبہ میں داخل ہیں۔

دوسرا حصہ اخلاقی ترغیبات کا ہے، ان کا درجہ قانون کا نہیں بلکہ اخلاقی فضیلت کا ہے، انفاق فی سبیل اللہ کا ایک بڑا حصہ دوسری قسم سے وابستہ ہے، آج کل بہت سے اہل قرآن کریم میں غور کرتے ہوئے ان دونوں حصوں کو باہم ملا دیتے ہیں، یہی وہ غلط مبحث ہے جو ان کی غلطی و ضلال کی دلیل ہے، آج کل معاشی مسائل میں یہ غلط مبحث انتہا کو پہنچ گیا ہے۔ ان دو حصوں کو الگ سمجھنے کے لئے عہد نبوت کی مکی زندگی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مقدسہ اور پھر خلافت راشدہ کے دور میں ان اقدامات و مسائل کی تشکیل سے دونوں کا امتیاز واضح ہو جاتا ہے۔

غزوہ تبوک میں عسرت و تنگدستی عام تھی، دور دراز کا سفر تھا، ایک منظم طاقت سے مقابلہ تھا اور جزیرۃ العرب سے باہر جا کر جہاد کرنا تھا۔ ایسے نازک موقع پر بھی حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی مالدار سے جبراً کوئی تحصیل نہیں کیا۔ بلکہ صرف ترغیب دی، اعلان کروایا، جنت و

مغفرت کے وعدے سنا دیے فرمایا: "من جهز جيش العسرة أضمن له الجنة" چونکہ
قلوب کی اصلاح ہو چکی تھی اس لئے ہر شخص نے اپنی ہمت و استطاعت کے مطابق جتنا چاہا برضا
ورغبت پیش کر دیا اور ضرورت پوری ہو گئی۔ یہی طرز عمل تمام اسلامی ادوار میں رہا۔ بعد کے بعض
ادوار میں ایسے واقعات ضرور پیش آئے کہ قحط زدوں کا سیلاب آیا تو بعض ممالک میں ان کے
مقابلے کے لئے بیت المال کا خزانہ کافی نہ تھا اس وقت علماء نے فتویٰ دیا کہ جہاں ایسی صورت پیش
آئے کہ بیت المال کا خزانہ کافی نہ ہو اور زکوٰۃ اونچے مناصب والوں کی اعانت بھی کافی نہ ہو تو عوام
سے اس کے قابل اموال لئے جا سکتے ہیں لیکن یہ حق بھی ان اسلامی حکمرانوں کو ہوتا ہے جو اسلامی
قوانین ملک میں نافذ کر چکے ہوں اور اسلامی حکومت صحیح معنی میں اسلامی حکومت ہو جس کی سب
سے پہلی اور بنیادی شرط یہ ہے کہ وہ معاملات و حقوق میں پورے کا پورا اسلامی قانون نافذ کرے،
شرعی تعزیرات و حدود کا اجراء کرے اور معاشرے کو کتاب و سنت کا پابند بنائے۔ اسلامی سلطنت
کے سربراہ کو یہ حق حاصل ہے کہ ملک کے فقراء و مساکین کی کفالت یا ریاست کی وقتی ضرورت
کے لئے اگر بیت المال کی رقم ناکافی ہو تو اغنیاء سے جبری چندہ اور قرض حسنہ لے اور اگر اس سے
بھی ضرورت پوری نہ ہو اور سرمایہ دار بے دولت و ثروت بخل سے کام لیں اور رضاکارانہ طور پر دینے
کے لئے آمادہ نہ ہوں تو ان سے زبردستی وصول کرے تا کہ وہ ہنگامی ضرورت پوری ہو جائے،
ہمارا خیال ہے کہ کسی صحیح اسلامی معاشرہ میں یہ نوبت آ ہی نہیں سکتی۔

اسی شدید وقتی تقاضے کے پیش نظر مدرسہ عربیہ اسلامیہ (حال جامعۃ العلوم اسلامیہ علامہ
بنوری ٹاؤن) نے چاہا کہ علمی انداز سے اسلامی معاشیات پر ایک مفصل کتاب مدون ہو جائے جو
قرآن و احادیث و فقہاء امت کے ارشادات اور تاریخ اسلام کی روشنی میں مرتب ہو جس میں نہ
خدا فراموش سوشلزم یا کمیونزم کے جراثیم ہوں نہ دین فراموش مستبد سرمایہ داری کا ہاتھ کار
فرما ہو، اس کے لئے ضرورت تھی کہ چند مستند علماء ایک جگہ بیٹھ کر اس کام کا خاکہ تیار کریں، چنانچہ
پہلے مرحلہ پر جن حضرات کو جمع کیا گیا وہ راقم الحروف کے علاوہ ان کے اسماء گرامی حسب ذیل ہیں:

مولانا مفتی ولی حسن صاحب، مولانا مفتی رشید احمد صاحب، مولانا مفتی محمود صاحب (ملتان) مولانا محمد ادریس صاحب، مولانا محمد رفیع صاحب مدرس دارالعلوم کراچی، مولوی محمد تقی صاحب مدرس دارالعلوم و مدیر البلاغ، جناب محمد اقبال صاحب ایڈووکیٹ۔ اس اجتماع میں مزارعت، اجیر و سود اور زمینی مسائل سے متعلق ایک مختصر خاکہ تیار کیا گیا تھا جس کی حیثیت بھی صرف استفتاء ہی کی ہو سکتی ہے۔ اس کی کتابی تدوین و ترتیب بھی مدوّنہ آخری نہ تھی بلکہ وہ تو محض خاکہ تھا جو سائیکلو سٹائل کر کے شائع کیا گیا تھا تاکہ اسے علماء کے پاس بھیجا جا سکے اور اس کی اشاعت کی غرض بھی یہی تھی لیکن خود غرض حضرات نے اس کو آخری فیصلہ سمجھ کر اس سے ناجائز فائدہ اٹھانے کی کوشش کرنے لگے۔ یہ جلد بازی ہے۔ دوسرے مرحلے پر شرکاء مجلس کچھ کم ہو گئے اور کتاب کے مختلف ابواب تجویز کر کے کام تقسیم کر دیا گیا اور حسب ذیل حضرات اس پر کام کر رہے ہیں:

① مولانا مفتی ولی حسن مدرسہ عربیہ اسلامیہ کراچی

② مولانا محمد ادریس صاحب مدرسہ عربیہ اسلامیہ کراچی۔

③ مولانا مفتی رشید احمد صاحب دارالافتاء ناظم آباد کراچی۔

④ مولانا محمد تقی صاحب دارالعلوم کراچی۔

یہ کام جاری ہے تکمیل تک نہیں پہنچا۔ حق تعالیٰ جلد اس کی تکمیل کرائے پھر بھی یہ آخری رائے نہ ہو گی، علماء کو تبصرہ و تنقید کا موقع دیا جائے گا، ہو سکتا ہے کہ جرح و تعدیل کے بعد اس کو آخری شکل دی جا سکے۔ ضرورت تھی کہ اس صورت حال کو واضح کر دیا جائے تاکہ بعض معاصر رسالوں میں جو ابتدائی خاکہ شائع ہو گیا ہے اس کو علماء کی آخری رائے نہ سمجھا جائے۔

واللہ ولی التوفیق

محمد یوسف بنوری

(ماہنامہ بینات، بصائر و عبر، جمادی الاولیٰ، اگست ۱۹۶۹ء)

موجودہ معاشی بحران
اور اس سے دفع کرنے کی تدبیر
اسلامی تعلیمات کی روشنی میں

﴿ظهر الفساد في البر والبحر بما كسبت أيدي الناس ليذيقهم بعض الذي عملوا لعلهم يرجعون﴾

[الروم: ٤١]

ترجمہ: انسان کی بداعمالیوں کی وجہ سے بر و بحر میں فساد برپا ہے تا کہ خدا ان کی کچھ بد عملیوں کا مزہ انہیں چکھا دے، شاید وہ باز آجائیں۔

یہ حقیقت ہے کہ انسانی معاشرہ کو تباہ و برباد اور نظام معیشت کو درہم برہم کر دینے والی تمام تر خرابیوں اور بدکاریوں کی جڑ قومی معیشت میں سودی زر و مال کے نتیجے میں پیدا ہونے والی "زر زائد روزی" ہے جس کو معاشیات کی اصطلاح میں ارتکاز زر اور اجتماع دولت کہتے ہیں۔

اسلام نے بھی ارتکاز زر اور اجتماع دولت کی بیخ کنی کرنے اور دولت کو چند ہاتھوں میں سمٹنے سے بچانے کی خاطر سرمایہ کو متحرک رکھنے اور اس کی جمع شدہ دولت اور منجمد سرمایہ کو گردش میں لانے کی تین تدابیر تجویز کی تھیں:

① انفاق

② زکوٰۃ و صدقات و اوقاف

③ توریث دولت

زر زائد روزی کو ختم کرنے اور پروان چڑھنے والے تین حرام ذرائع:

① سود اور سودی کاروبار یعنی بینکاری

② جوا، سٹہ اور بیمہ کاری

③ بیوع فاسدہ یعنی ناجائز معاملات کو قطعاً حرام اور ممنوع قرار دیا ہے۔

ہم ان مذکورہ بالا مباحث پر قرآن و حدیث اور فقہ اسلامی کی روشنی میں تفصیلی بحث کریں گے اس کے بعد زراندوزی کو جنم دینے والے حرام ذرائع پر مفصل بحث کریں گے اور قومی معیشت میں ان کے متبادل صحیح طریق کار بتلائیں گے ان شاء اللہ العزیز تاکہ مکمل طور پر اسلام کا اقتصادی نظام سامنے آ جائے۔

انفاق

تجمع سرمایہ اور زراندوزی

قرآن حکیم کا ارشاد ہے:

﴿والذین یکنزون الذھب والفضة ولا ینفقونھا فی سبیل اللہ فبشرھم بعذاب الیم یوم یحمی علیھا فی نار جھنم فتکوی بھا جباھھم وجنوبھم وظھورھم ھذا ما کنزتم لانفسکم فذوقوا ما کنتم تکنزون﴾ [التوبہ: ٣٤، ٣٥]

ترجمہ: اور جو لوگ سونے چاندی کو دبا کر رکھتے ہیں اور اس کو اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے (اے نبی ﷺ) ان کو بشارت دیجیے دردناک عذاب کی جس دن اس سونے چاندی کو جہنم کی آگ میں تپایا جائے گا پھر اس سے ان کی پیشانیوں کو پہلوؤں کو اور پشتوں کو داغا جائے گا (اور کہا جائے گا) یہ وہی سونا چاندی تو ہے جو تم نے اپنے لئے دبا کر رکھا تھا پس اب چکھو اس کو دبا کر رکھنے کا مزہ۔

یہ آیت کریمہ اس امر کی تصریح کرتی ہے کہ جو بھی سونا چاندی یعنی سرمایہ اللہ کے حکم کے مطابق خرچ نہ کیا جائے یعنی ایک یا چند ہاتھوں میں جمع ہو کر بیکار ہو جائے تو کنز ہے جس کی

اکتناز حرام اور موجب عذاب شدید ہے لیکن جو سرمایہ اللہ کے حکم کے مطابق خرچ کیا جاتا رہے یعنی مختلف ہاتھوں میں گردش کرتا رہے اور بڑھتا جاتا رہے وہ خواہ کتنا ہی وافر کیوں نہ ہو اللہ کی دی ہوئی نعمت ہے جس کا شکر اللہ کے حکم کے مطابق اس کا وافر حصہ خرچ کرنا ہی ہے ارشاد ہے:

﴿وأما بنعمة ربك فحدث﴾ [الضحیٰ: ١١]

اور ارشاد نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مطابق وہ اکتساب خیرات و حسنات کے لئے بہترین معاون ہے: "نعم العون المال الحلال"۔

اسلام حکومت کو بھی اکتناز زر کی اجازت نہیں دیتا چنانچہ عہد نبوت میں حاصل شدہ دشمنوں کے اموال (مال غنیمت) کو بھی جو بظاہر خاص حکومت کی آمدنیاں ہیں دوسرے عام انفاقات کی طرح ناداروں اور فقراء و مساکین وغیرہ پر تقسیم کر دینے کا حکم دیتا ہے قرآن عزیز کا حکم ہے:

﴿واعلموا أنما غنمتم من شيء فأن لله خمسه وللرسول ولذي القربى واليتامى والمساكين وابن السبيل﴾

[الانفال: ٤١]

ترجمہ: اور یاد رکھو جو کچھ بھی تم کو مال غنیمت ملے تو اس کا پانچواں حصہ اللہ کے واسطے، رسول کے واسطے اور رسول کے قرابت داروں کے واسطے، اور یتیموں محتاجوں اور مسافروں کے واسطے ہے۔

چنانچہ کل مال غنیمت کے چار حصے غانمین (شریک جنگ مجاہدین) کے ہوتے ہیں اور

۱؎ اس کے برعکس عہد حاضر کی دو نمایاں طرز کی حکومتوں یعنی سوشلسٹ اور کمیونسٹ حکومتوں کی تو بنیاد ہی اس پر قائم ہے کہ "قومیانے" کے پرفریب نام سے ملک کا تمام سرمایہ اسٹیٹ کے پاس سمٹ آئے اور وہ خود عظیم سرمایہ دار اسٹیٹ بن جائے اور طاقت و قوت کی پشت پناہی سے تمام دولت اس طرح مستحکم طور پر لگا دیا جائے کہ اس جامد سرمایہ اور منجمد دولت کو حرکت میں لانا کسی کے بس کا نہ رہے لہٰذا یہ عوامی حکومتیں سرمایہ داری کی دشمن نہیں بلکہ ظالم درجے کی سرمایہ دار اور سرمایہ پرست سرمایہ داری کی محافظ ہیں

انجماد دولت کے خطرہ سے قرآن حکیم نے ذیل کے الفاظ میں متنبہ فرمایا ہے۔

﴿ما أفاء الله على رسوله من أهل القرى فلله وللرسول ولذي القربى واليتامى والمساكين وابن السبيل كي لا يكون دولة بين الأغنياء منكم﴾ [الحشر: ۲۸]

ترجمہ: اور جو مال اللہ نے بستی والوں سے بغیر جنگ کے اپنے رسول کو پہنچایا پس وہ اللہ کے واسطے ہیں رسول کے واسطے اس کے قرابت داروں کے واسطے اور یتیموں کے محتاجوں کے مسافروں کے واسطے ہیں تاکہ وہ مال تم میں سے (صرف) دولت مندوں کے درمیان ہی آنے جانے والا نہ ہو جائے۔

انفاق کے دو مرتبے

اس انفاق فی سبیل اللہ (اللہ کے حکم کے مطابق خرچ کرتے رہنے) کے دو درجے ہیں ایک ادنیٰ جس کے بعد جمع شدہ مال شرعاً کنز نہیں رہتا، دوسرا اعلیٰ جو عند اللہ مطلوب ہے ادنیٰ درجہ کو حدیث شریف میں بیان فرمایا ہے ارشاد ہے:

"أيّ مال أدّى زكوته ليس بكنز"[1]

ترجمہ: ہر وہ مال جس کی زکوۃ ادا کردی گئی وہ کنز نہیں ہے۔

اس کی تفصیل بحث زکوۃ کے ذیل میں بیان کریں گے۔ اعلیٰ مرتبہ کو قرآن حکیم میں بیان فرمایا ہے ارشاد ہے:

﴿ويسئلونك ماذا ينفقون قل العفو﴾ [البقرة: ۲۱۹]

ترجمہ: (اے نبی) وہ تم سے دریافت کرتے ہیں کہ کیا (کتنا) مال خرچ کریں؟ تم کہہ دو زائد مال (خرچ کرو)۔

بقول مفسرین صاحب مال کی حاجت اصلیہ سے زائد مال عفو کا مصداق ہے۔

[1] مصنف ابن ابي شيبه: ۲۰۵/۲ باب ما قالوا في المال اذا كان تؤدى زكاته فليس بكنز، ط: ادارة القرآن كراچی۔

انسان کی حاجات صنفیہ کی تقسیم بھی قرآن عزیز میں بیان فرمائی ہے:

① حد اعتدال میں رہ کر حسب حال جائز زینت و آرائش کا سامان اور حلال و لذیذ غذائیں اور مشروبات۔

ارشاد ہے:

۱: ﴿قل من حرم زينة الله التي أخرج لعباده والطيبات من الرزق﴾ [الاعراف:۳۲]

ترجمہ: (اے نبی ﷺ) کہہ دو کس نے حرام کیا ہے اللہ کی (دی ہوئی) زینت کو جو اس نے اپنے بندوں کے لئے پیدا کی ہے اور طاہر و عمدہ کھانے (پینے) کی چیزوں کو۔

۲: ﴿يا بني آدم خذوا زينتكم عند كل مسجد و كلوا واشربوا ولا تسرفوا انه لا يحب المسرفين﴾ [الاعراف:۳۱]

ترجمہ: اے اولاد آدم تم اپنی آرائش (کے لباس) کو ہر نماز کے وقت اور کھاؤ پیو اور (اس میں) بیجا خرچ مت کرو بیشک اللہ پسند نہیں کرتا بے جا خرچ کرنے والوں کو۔

۳: ﴿فكلوا مما رزقكم الله حلالا طيبا واشكروا نعمت الله﴾ [النحل:۱۱۴]

ترجمہ: پس جو حلال وطیب روزی اللہ نے تمہیں دی ہے اسے کھاؤ اور اللہ کی نعمت کا شکر ادا کرو۔

② ستر پوشی اور بدن کو سردی گرمی سے بچانے والا حسب ضرورت لباس

ارشاد ہے:

۱: ﴿يا بني آدم قد أنزلنا عليكم لباسا يواري سوآتكم وريشا ولباس التقوى ذلك خير﴾ [الاعراف:۲۶]

ترجمہ: اے آدم کی اولاد! ہم نے اتاری تم پر پوشاک جو چھپائے تمہارے شرم کی جگہوں کو اور زینت کا لباس اور پرہیزگاری کا لباس وہ سب سے بہتر ہے۔

۲: ﴿وجعل لكم سرابيل تقيكم الحر و سرابيل تقيكم بأسكم كذلك يتم نعمته عليكم لعلكم تسلمون﴾

[النحل: ۸۱]

ترجمہ: اور اللہ نے بنا دیئے تمہارے کرتے جو بچاتے ہیں تم کو گرمی (سردی) سے اور ایسے کرتے (زرہیں) جو بچاتے ہیں تم کو لڑائی میں اسی طرح اللہ پورا کرتا ہے تم پر اپنا انعام تاکہ تم فرمانبرداری کرو۔

③ حسب ضرورت رہنے کے لئے مکان اور اثاث البیت

۱: ﴿والله جعل لكم من بيوتكم سكنا و جعل لكم من جلود الأنعام بيوتا تستخفونها يوم ظعنكم و يوم إقامتكم و من أصوافها و أوبارها و أشعارها أثاثا و متاعا إلى حين﴾ [النحل: ۸۰]

ترجمہ: اور اللہ نے بنا دیئے تمہارے گھر تمہارے بسنے کی جگہ اور بنا دیئے چوپایوں کی کھالوں کے گھر (چمڑی خیمے) جو تم آسانی سے اٹھا لیتے ہو جب سفر میں ہوتے ہو اور جب قیام کی حالت میں ہو، اور بھیڑوں کی اون سے اور اونٹوں کی پشم سے اور بکریوں کے بالوں سے گھروں کا سامان اور استعمال کی چیزیں تا معین حیات۔

قرآن حکیم کی یہ چند آیات بطور نمونہ از خروارے ہم نے انتخاب کی ہیں ان آیات میں انسان کی تین مسلمہ بنیادی ضرورتوں: (۱) غذا (۲) لباس (۳) مسکن (مکان) اور ان کے لوازمات سے حسب استطاعت استفاع کا حکم فرمایا ہے بشرطیکہ اس میں اسراف (فضول خرچی) نہ ہو۔

عفو و فضل مال کی تعریف

قرآن و حدیث کی تفصیلی تعلیمات کی روشنی میں علماء نے فرمایا ہے کہ ہر شخص کے حرف

مال و منال کے اعتبار سے جس قدر مال ان کے لئے ضروری ہو اس سے جو مال و دولت فاضل ہو وہ عفو کا مصداق ہے اس کو اللہ جل مجدہ کی تجویز کردہ مصارف و مدات میں خرچ کرتے رہنا انفاق فی سبیل اللہ کا اعلیٰ مرتبہ اور عنداللہ مطلوب ہے اس کے ذریعے نظام معیشت اکتناز کے خطرے سے قطعی طور پر محفوظ و مامون رہتا ہے۔

صحیح مسلم میں حدیث قدسی میں آیا ہے:

قال الله تعالى: يا ابن آدم أنفق أنفق عليك وقال يمين الله ملأى سحاء لا يغيضها شيء الليل والنهار.(۱)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے آدم کے بیٹے! (جو میں نے دیا ہے) تو خرچ کر میں تجھ پر خرچ کروں گا اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ کا ہاتھ بھرا ہے رات دن برس رہا ہے۔

نبی رحمت ﷺ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کو وصیت فرماتے ہیں:

أنفقي ولا تحصي فيحصي الله عليك ولا توعي فيوعي الله عليك.(۲)

ترجمہ: تم خرچ کئے جاؤ اور شمار مت کرو کہ اللہ تعالیٰ تم پر شمار کرنے لگے اور تھیلیوں میں جمع کرکے مت رکھو کہ اللہ بھی اپنی تھیلی کا منہ بند کرلے

مصارف و مدات انفاق

قرآن حکیم نے اس انفاق کے مصارف و مدات بھی تجویز فرمادی ہیں مگر یہ مصارف انفاق یقیناً مصارف زکوٰۃ کے علاوہ ہیں اس لئے کہ مصارف زکوٰۃ و صدقات تو "إنما الصدقات" کے عنوان سے قرآن حکیم میں مستقل طور پر بیان فرماتے ہیں، جو فرق زکوٰۃ کی بحث میں آ چکے ہیں۔

.....

(۱) مسلم: ۳۲۲/۱ باب الحث على النفقة، ط: قديمي كتب خانه كراچی۔

(۲) مسلم: ۳۳۶/۱ باب الحث على الانفاق وكراهة الاحصاء، ط: قديمي كتب خانه كراچی۔

ماں باپ، قرابت دار، یتیم، مسکین، مسافر، عام مصارفِ خیر

مقدار انفاق اور مصرف کے تعلق کے ذیل میں ارشاد ہے:

﴿يسئلونك ماذا ينفقون قل ما أنفقتم من خير فللوالدين
والأقربين واليتامى والمساكين وابن السبيل وما تفعلوا من
خير فإن الله به عليم﴾ (البقرة: ۲۱۵)

ترجمہ: لوگ تم سے دریافت کرتے ہیں: ہم کیا خرچ کریں؟ کہہ دو کہ جو
مال بھی تم خرچ کرو تو وہ ماں باپ کے لئے اور قریب کے رشتہ داروں کے لئے اور یتیموں، محتاجوں،
مسافروں کے لئے (خرچ کرو) اور جو بھی نیکی کا کام کرتے ہو اللہ اس کو خوب جانتا ہے۔

سائل، غیر مستطیع، مدیون

انواعِ زکوٰۃ کے ذیل میں ارشاد ہے:

﴿وآتى المال على حبه ذوي القربى واليتامى والمساكين وابن
السبيل والسائلين وفي الرقاب﴾ (البقرة: ۱۷۷)

ترجمہ: اور مال دے اس کی محبت کے باوجود رشتہ داروں کو، یتیموں کو، محتاجوں کو،
مسافروں کو اور مانگنے والوں کو اور گردنیں چھڑانے میں۔

واضح ہو کہ اس آیت کریمہ میں یہ انفاق زکوٰۃ کے علاوہ ہے، اس لئے کہ ادائے زکوٰۃ کا
ذکر اسی آیت میں مستقل عنوان "وآتی الزکوٰۃ" سے علیحدہ فرمایا ہے۔

ہمسایہ قریب، ہمسایہ بعید، شریکِ حرفہ، مملوک غلام کنیز

اس انفاق کا ذکر اللہ کی عبادت کے بعد ارشاد ہے:

﴿واعبدوا الله ولا تشركوا به شيئا وبالوالدين إحسانا و
بذي القربى واليتامى والمساكين والجار ذي القربى والجار
الجنب والصاحب بالجنب وابن السبيل وما ملكت
أيمانكم إن الله لا يحب من كان مختالا فخورا﴾

ترجمہ: اور عبادت کرو اللہ کی اور شریک مت کرو اس کے ساتھ کسی چیز کو اور ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرو اور قرابت والوں کے ساتھ اور یتیموں اور محتاجوں کے ساتھ اور پاس کے پڑوسی کے اور دور کے پڑوسی کے ساتھ اور پاس بیٹھنے والے (شریک سفر) کے ساتھ اور مسافروں اور جن کے تم مالک ہو (غلام لونڈی یا نوکر خادم) ان کے ساتھ بے شک اللہ پسند نہیں کرتا اترانے والے شیخی مارنے والے لوگوں کو۔ [النساء:۳۶]

بیوی اولاد

شوہر کو بیوی پر فوقیت حاصل ہونے کی ایک وجہ معاشی کفالت ہے۔ ارشاد ہے:

﴿الرجال قوامون على النساء بما فضل الله بعضهم على بعض وبما أنفقوا من أموالهم﴾ [النساء:۳۴]

ترجمہ: مرد حاکم ہیں (عورتوں پر) اس لئے کہ بڑائی دی اللہ نے بعض کو (مردوں کو) بعض پر (عورتوں پر) اور اس لئے کہ مرد خرچ کرتے ہیں ان پر اپنے مال۔

﴿وعلى المولود له رزقهن وكسوتهن بالمعروف﴾ [البقرة:۲۳۳]

ترجمہ: اور جس کا بچہ ہے اس کے ذمہ ہے ان (دودھ پلانے والیوں) کی خوراک اور لباس (کا خرچ)

﴿وعلى الوارث مثل ذلك﴾

حرب و دفاع اور رفاہ عامہ

قرآن کریم نے حرب و دفاع وغیرہ پر مال خرچ نہ کرنے کو اپنے ہاتھوں اپنی موت بلانے کے مرادف قرار دیا ہے۔ ارشاد ہے:

﴿وأنفقوا في سبيل الله ولا تلقوا بأيديكم إلى التهلكة﴾ [البقرة:۱۹۵]

ترجمہ: اور اللہ کی راہ میں (مال) خرچ کرو اور اپنی جانوں کو اپنے ہاتھوں ہلاکت میں مت ڈالو۔

سائل وغیر سائل

قرآن کریم انسان کے مال میں سائل وغیر سائل ہردو کا حق تجویز کرتا ہے:

﴿وفی أموالهم حق للسائل والمحروم﴾ [ذاریات:۱۹]

ترجمہ: اور ان (اللہ سے ڈرنے والوں) کے اموال میں حصہ ہے مانگنے والے اور نہ مانگنے والے (ضرورت مندوں) کا۔

نیز نہ مانگنے والے باحیثیت ضرورت مند کو مانگنے والے پر ترجیح دیتا ہے اور ارباب اموال کو ایسے ضرورت مندوں کی ضروریات پورا کرنے کی ترغیب دیتا ہے، ارشاد ہے:

﴿للفقراء الذین أحصروا فی سبیل اللہ لا یستطیعون ضربا فی الأرض یحسبهم الجاهل أغنیاء من التعفف تعرفهم بسیماهم لا یسئلون الناس إلحافا﴾ [البقرہ:۲۷۳]

ترجمہ: وہ (صدقات و خیرات) ان ضرورت مندوں کے لئے ہیں جو اللہ کی راہ میں روک دیئے گئے ہیں (اپنی زندگی اللہ کے لئے وقف کردی ہے یا کسی لئے) وہ زمین میں (کاروبار کے لئے) سفر نہیں کر سکتے۔ نادان آدمی ان کو غنی سمجھتا ہے تم ان کے چہروں سے ان کو پہچان لو گے (کہ یہ ضرورت مند ہیں) وہ نہ سوال کرتے ہیں نہ اصرار۔

بہر صورت سائل کو جھڑکنے سے سختی کے ساتھ منع فرماتے ہیں بلکہ حکم دیتا ہے کہ اگر اللہ نے تم کو وسعت دی ہے تو اس کی ضرورت پوری کر کے شکر نعمت ادا کرو ورنہ نرمی سے معذرت کرو ارشاد ہے:

﴿وأما السائل فلا تنهر وأما بنعمة ربك فحدث﴾ [الضحیٰ:۱۱]

ترجمہ: اور مانگنے والے کو مت جھڑکو اور اپنے پروردگار کی نعمت کا اظہار کرو۔

﴿قول معروف و مغفرة خیر من صدقة یتبعها أذى واللہ غنی حلیم﴾ [البقرہ:۲۶۳]

ترجمہ: اچھی بات کہہ دینا اور (سائل کی ترش کلامی کو) معاف کر دینا اس خیرات سے بہتر ہے جس کے بعد ایذا رسانی ہو۔

یہ انفاق کچھ مالداروں اور دولت مندوں کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ ہر مسلمان خواہ خوشحال ہو خواہ تنگدست اپنی استطاعت کے مطابق اس کا مخاطب ہے، ارشاد ہے:

﴿أعدت للمتقين الذين ينفقون في السراء والضراء و الكاظمين الغيظ و العافين عن الناس و الله يحب المحسنين﴾ [آل عمران:١٣٤]

ترجمہ: وہ جنت تیار کی گئی ہے پرہیزگاروں کے لئے جو خرچ کرتے ہیں خوشحالی میں بھی اور تنگدستی میں بھی اور ضبط کرتے ہیں غصہ کو اور معاف کرتے ہیں لوگوں (کی خطاؤں) کو اور اللہ پسند کرتا ہے نیکوکاروں کو۔

جو لوگ ان رضاکارانہ طور پر اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والوں پر طعن وتشنیع کرتے ہیں ان کے متعلق ارشاد ہے:

﴿الذين يلمزون المطوعين من المؤمنين في الصدقات والذين لا يجدون إلا جهدهم فيسخرون منهم سخر الله منهم ولهم عذاب أليم﴾ [التوبة:٧٩]

ترجمہ: وہ لوگ جو طعنے دیتے ہیں ان ایمان والوں پر بھی جو دل کھول کر خیرات دیتے ہیں اور ان پر بھی جو نہیں رکھتے مگر اپنی محنت ومشقت (کی کمائی) پس مذاق اڑاتے ہیں ان کا اللہ ان کا مذاق اڑائے گا اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔

بس انفاق سے صرف وہ تہی دست لوگ مستثنیٰ ہیں جن کے پاس دینے کے لئے بجز دعا خیر کے اور کچھ نہ ہو:

﴿ليس على الضعفاء ولا على المرضى ولا على الذين لا يجدون ما ينفقون حرج إذا نصحوا لله ورسوله ما على المحسنين من سبيل والله غفور رحيم ولا على الذين إذا ما أتوك لتحملهم قلت لا أجد ما أحملكم عليه تولوا وأعينهم تفيض من الدمع حزنا ألا يجدوا ما ينفقون﴾

ترجمہ: نہیں ہے کمزوروں پر اور نہ بیماروں پر اور نہ ان لوگوں پر جن کے پاس خرچ کرنے کو کچھ نہیں ہے کچھ گناہ جبکہ وہ خیر خواہی کریں اللہ اور اس کے رسول کی نہیں ہے (ایسے) نیکوکاروں پر کوئی (الزام کی) راہ اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے اور نہ ان لوگوں پر (کچھ گناہ) ہے جو تمہارے پاس جب آئے تا کہ تم ان کو (جہاد کے لئے) سواری دو تو تم نے کہا: میرے پاس تمہیں دینے کے لئے کوئی سواری نہیں تو وہ آنکھوں سے آنسو بہاتے (اور اپنی محرومی پر روتے) ہوئے واپس چلے گئے اس غم میں کہ ان کے پاس (جہاد میں) خرچ کرنے کو کچھ نہ تھا۔ {التوبہ:۹۱}

واضح ہو کہ مذکورہ بالا ہر دو آیتیں غزوہ تبوک کے سلسلے میں نازل ہوئی ہیں، اور یہ انفاق حرب و دفاع کی مد سے متعلق ہے۔

اسلام کے معاشی نظام کو اکتنازِ دولت سے محفوظ رکھنے کی اہم ترین انفاق سے متعلق ان چند آیات پر ہم اکتفا کرتے ہیں۔ ان آیات کی روشنی میں اس انفاق کے مصارف و مدات کی تشخیص و تحدید حسب ذیل ہے:

مستقل انفاقات

① اہل خانہ: خود، بیوی، نابالغ یا ضرورت مند اولاد، ضرورت مند ماں باپ، عبید دادا، موجودہ زمانے میں ان کی جگہ نوکر و خادم اہل۔

② کنبہ: ضرورت مند قرابت دار الاقرب فالاقرب کی ترتیب سے، مجبور و معذور قرابت دار، اہل محلہ: ضرورت مند ہمسایہ قریب، ہمسایہ بعید، شریک حرفہ و کسب معاش۔

③ اہل ملک: یتیم قرابت دار، غیر قرابت دار، مساکین و محتاجین خواہ سائل ہوں خواہ غیر سائل، ضرورت مند۔

④ اہل حرفہ، شرکا، رکارِ قومی و ملی: مصارف حرب و دفاع و رفاہ عام۔

عارضی انفاقات

غیر مستطیع مسافر، غیر مستطیع مدیون، خسارہ زدہ (ریلیف)، تاجر وکاروباری۔

نتیجہ بحث

مذکورہ بالا تفصیل سے ظاہر ہے کہ انفاق فی سبیل اللہ کا دائرہ پوری قومی زندگی کے (شخصی، عائلی، انفرادی، اجتماعی، قومی و ملی) مصارف و حاجات پر محیط ہے اگر ملک کے اہل ثروت اور ارباب حیثیت خصوصاً دولت مندوں کا فاضل سرمایہ (جو عفو کے مصداق ہے) اللہ کے حکم کے مطابق مذکورہ بالا مدات میں برابر خرچ ہوتا رہے تو ملک میں سرمایہ کی منجمد ہوائی شکل کہاں اور ان دولت مندوں کے پاس سرمایہ کی ہی فراوانی کے ساتھ کیوں نظر آتا ہے۔ ۱؎

اسلام دین فطرت ہے اس لئے قرآن حکیم دولت مندوں اور سرمایہ داروں کو اس انفاق پر مجبور کرنے یعنی سرمایہ کو متحرک اور دولت کو دائر و سائر رکھنے میں جبر سے کام لینے کے بجائے اخلاقی قوت سے کام لیتا ہے یعنی حب مال اور ہوس زر اور اس کے نتیجہ میں پیدا ہونے والے بخل و امساک (کنجوسی) کو کافرانہ خصلت اور بدترین رذالت قرار دیتا ہے ارشاد ہے۔

۱: ﴿كلا بل لا تكرمون اليتيم ولا تحاضون على طعام المسكين وتاكلون التراث أكلا لما وتحبون المال حبا جما﴾

[الفجر: ۱۸، ۲۰]

ترجمہ:۔ کوئی نہیں بلکہ تم عزت سے نہیں رکھتے یتیم کو اور (ایک دوسرے کو) محتاج کو کھانا کھلانے پر برانگیختہ نہیں کرتے اور کھا جاتے ہو میت کا مال سمیٹ کر اور محبت کرتے ہو مال سے جی بھر کر۔

۱؎ آج جو کچھ لوگوں کے بقول ملک کا تمام سرمایہ سابقہ حکومت کی سرمایہ دارانہ پالیسی کی وجہ سے صرف چند خاندانوں کے ہاتھوں میں سمٹ آیا ہے اور عوام کمیونسٹوں اور سوشلسٹوں کے فریب میں گرفتار ہو کر روٹی، کپڑا اور مکان کے نعرے لگا رہے ہیں۔ اس منجمد سرمایہ کو پورے ملک میں دائر و سائر کرنے اور گردش میں لانے کی خالق کائنات کی بتلائی ہوئی واحد تدبیر انفاق ہے اگر سرمایہ دار اس خطرناک اژدھا (سرمایہ) کی گرفت سے جو ان کا طوق گردن بنا ہوا ہے آزاد ہونا چاہیں تو قرآن حکیم کے بتلائے ہوئے نیکی کے مصارف میں اپنے فاضل سرمایہ کو خرچ کرنا شروع کر دیں تو دنیا اور آخرت دونوں کے عذاب سے نجات حاصل کر لیں ورنہ ان کا وہی حشر ہو گا جو ہم سے پہلے روس، چین اور لاکھوں کا ہو چکا ہے۔

۲: ﴿ویل لکل همزة لمزة الذی جمع مالا وعدده یحسب أن
ماله أخلده کلا لینبذن فی الحطمة﴾ [الهمزة: ۱-۴]

ترجمہ: ہلاکت ہے ہر طعنے دینے والے عیب چینی کرنے والے کے لئے جس نے
مال خوب سمیٹا اور گن گن کر رکھا وہ سمجھتا ہے اس کا مال سدا اس کے ساتھ رہے گا ہرگز نہیں وہ ضرور
جھونک دیا جائے گا روند ڈالنے والی آگ میں۔

۳: ﴿إن الإنسان لربه لکنود وإنه علی ذلک لشهید وإنه
لحب الخیر لشدید﴾ [العادیات: ۶-۷-۸]

ترجمہ: بیشک انسان اپنے پروردگار کے بارے میں بڑا ہی بخیل ہے۔ اور وہ خود
ہی اپنے اس فعل پر گواہ ہے اور وہ مال کی محبت میں بہت ہی سخت ہے۔

۴: ﴿ولا یحسبن الذین یبخلون بما آتاهم الله من فضله هو
خیرا لهم بل هو شر لهم سیطوقون ما بخلوا به یوم
القیامة﴾ [آل عمران: ۱۸۰]

ترجمہ: نہ گمان کریں وہ لوگ جو بخل کرتے ہیں اس چیز (کے خرچ کرنے) میں جو
اللہ نے اپنے فضل سے ان کو دی ہے کہ یہ بخل ان کے لئے بہتر ہے بلکہ یہ بخل تو ان کے حق میں
بہت ہی برا ہے طوق بنا کر ان کے گلے میں ڈالا جائے گا وہ مال جس (کے خرچ کرنے) میں
انہوں نے بخل کیا ہے۔

بلکہ ایمان باللہ اور ایمان بالآخرت کے عقیدے کے تحت دنیوی و اخروی ترغیبات و ترہیبات
اور وعدہ وعید کے ذریعے اس انفاق پر آمادہ کرتا ہے قرآن کریم کا شاید ہی کوئی صفحہ آیات انفاق اور
دنیا و آخرت میں اس انفاق کے فوائد و منافع اور بخل و امساک کے دنیوی و اخروی نقصانات اور
مضرتوں کے ذکر سے خالی ہوگا۔

اس لئے قرآن حکیم زر اندوز سرمایہ داروں اور مالداروں سے عام حالات میں زبردستی
ان کے اموال چھین لینے اور ملکیت سے محروم کر دینے کا حکم نہیں دیتا کہ یہ اغتصاب بالجبر اور ظلم
صریح ہونے کے علاوہ معاشی حیثیت سے ملکی پیداوار میں ترقی کو مسدود کر دینے اور قوم کے حوصلے

اور نظام کار کو تباہ کر دینے کے مترادف ہے اور یہ سب سے بڑا معاشی نقصان اور قومی جرم ہے۔

اسلام کے زریں عہد یعنی قرون اولیٰ (عہد صحابہ و تابعین) کی تاریخ شاہد ہے کہ اغنیاء صحابہ و تابعین نے وحی قرآنی حکمت عملی کے تحت برضا و رغبت اور بطیب خاطر مذکورہ بالا تمام انفرادی و اجتماعی عادتی و دائمی قومی مدات و مصارف میں ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر بے حساب اموال خرچ کئے ہیں اور ﴿واللہ یرزق من یشاء بغیر حساب﴾ کے تحت جیسے بے حساب اللہ نے ان کو دیا ہے ویسے ہی بے حساب انہوں نے خرچ کیا ہے اپنے اوپر بھی اور قوم کے اوپر بھی۔ تاہم چونکہ شح (مال کے خرچ کرنے میں بخل) انسانی فطرت کی ایک ناگزیر کمزوری ہے ارشاد ہے:

﴿وأحضرت الأنفس الشح﴾ [النساء: ۱۲۸]

ترجمہ: اور نفوس انسانی میں بخل اور حرص بہت ہے۔

بجز ان خدا سے ڈرنے والے لوگوں کے جن کو رب العالمین اپنے فضل سے اس کمزوری سے بچا لے ارشاد ہے:

﴿ومن یوق شح نفسه فأولئك هم المفلحون﴾ [التغابن: ۱۶]

ترجمہ: اور جو لوگ اپنے نفس کے بخل و حرص سے بچا دیئے گئے وہی ہیں فلاح پانے والے۔

وہ اغنیاء آج بھی اپنے اسلاف کی طرح کشادہ دل اور کشادہ دست موجود ہیں اور انہی کی فراخ دلی کے نتیجہ میں پاکستان واحد ملک ہے جس میں حکومت کے اثر سے آزاد بیشمار تعلیمی اور رفاہی ادارے چل رہے ہیں، مگر عام طور پر ملک کا سرمایہ دار اور مالدار طبقہ قرآن و حدیث کی تعلیمات سے بے بہرہ اور ناواقف ہونے کی وجہ سے رب العالمین کے اس فضل سے محروم ہے۔

یہ ایک جملہ معترضہ تھا بہرحال شح انسان کی ایک فطری کمزوری ہے جو انفاق فی سبیل اللہ کی راہ میں حائل ہو کر سد راہ بن جاتی ہے۔ اس لئے قرآن و حدیث کی تعلیمات کی روشنی میں آئمہ مجتہدین اور فقہاء کرام نے انفاق کی حسب ذیل مدات میں اسلامی حکومت کو اختیار دیا ہے کہ وہ اغنیاء اور مالی استطاعت رکھنے والے لوگوں کو خرچ کرنے پر مجبور کر سکتی ہے:

① بیوی کا نفقہ شوہر کی مالی استطاعت کے مطابق ہو۔

② نابالغ اولاد کا نفقہ۔

③ ضرورت مند والدین کا نفقہ۔

④ معذور قرابت داروں کا نفقہ۔

⑤ مصارف حرب و دفاع اور رفاہ عام اگر حکومت کے خزانے (بیت المال) میں ان خرچ جات کے لئے بقدر ضرورت مال نہ ہو۔

⑥ وہ ہنگامی حالات جن میں اسباب سماوی کی وجہ سے یا سرمایہ داروں کی چیرہ دستیوں کی وجہ سے ملک معاشی بحران میں گرفتار ہو گیا ہو یعنی ملک کا تمام تر سرمایہ اور وسائل دولت چند افراد یا خاندانوں کے ہاتھوں میں سمٹ آئے ہوں اور ارتکاز دولت کی صورت پیدا ہو گئی ہو۔

کن کن صورتوں میں اسلامی حکومت دولت مندوں کے فاضل اموال پر جبراً قبضہ کر سکتی ہے؟

(1) غیر مشروع اور ناجائز ذرائع مثلاً رشوت، سود، قمار، سٹہ بازی وغیرہ حرام ذرائع سے حاصل کردہ اموال کو اسلامی حکومت بحق بیت المال ضبط کر کے ملک کے مفلس نادار غریب طبقہ پر بہ مصالح عامہ (قومی و ملکی ضروریات و مصارف) میں صرف کر سکتی ہے۔

② قحط سالی کے زمانہ میں جبکہ قوم کی غالب اکثریت غذا، لباس اور مسکن جیسی بنیادی ضروریات سے محروم ہو اور بیت المال ان کی ضروریات پوری کرنے سے عاجز ہو اور اغنیاء ان پر فاضل دولت صرف نہ کرتے ہوں تو اسلامی حکومت ان کے "فاضل اموال" ضبط کر کے ملک کے فقراء و مساکین کو دے سکتی ہے۔

③ مصنوعی قحط سالی کے وقت یعنی جبکہ قوم کے مالدار طبقہ نے گراں فروشی کی غرض سے ضروریات زندگی کی ذخیرہ اندوزی کر کے قحط پیدا کر دیا ہو تو اسلامی حکومت ان ذخائر کو مناسب

آتاك الله الدار الآخرة ولا تنس نصيبك من الدنيا وأحسن
كما أحسن الله إليك ولا تبغ الفساد في الأرض إن الله لا
يحب المفسدين﴾ [القصص:۷۶،۷۷]

ترجمہ: جب کہا اس (قارون) سے اس کی قوم نے تو (اپنی دولت پر) مت اترا، اللہ اترانے والوں کو پسند نہیں کرتا اور جو دولت تجھے خدا نے دی ہے اس سے (فلاح) آخرت کی تجویز کر اور (اس میں) جو تیرا دنیا کا حصہ ہے اس کو فراموش مت کر اور تو (مخلوق کے ساتھ) بھلائی کر جیسے اللہ نے تیرے ساتھ بھلائی کی ہے اور (اس دولت سے) زمین میں (معاشی) فساد برپا کرنے کی کوشش مت کر، اللہ فساد برپا کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

تو وہ خدا فراموش دولت کے نشے میں مخمور قارون جواب دیتا ہے:

﴿إنما أوتيته على علم عندي﴾ [القصص:۷۸]

ترجمہ: اس نے کہا کہ یہ دولت تو مجھے میرے ہنر سے ملی ہے جو میرے پاس ہے۔ (میری اپنی کمائی ہے مجھے کسی نے دی ہوئی نہیں)

اس کا انجام کیا ہوا سنئے اور عبرت حاصل کیجئے، ارشاد ہے:

﴿فخسفنا به وبداره الأرض﴾ [القصص:۸۱]

ترجمہ: پس ہم نے دھنسا دیا اس کو اور اس کے گھر کو (تمام مال و دولت سمیت) زمین میں۔

قارون کے گھر میں دولت کتنی تھی جو چشم زدن میں اس کے ساتھ دفن ہوگئی، ارشاد ہے:

﴿وآتيناه من الكنوز ما إن مفاتحه لتنوء بالعصبة أولي القوة﴾ [القصص:۷۶]

ترجمہ: اور ہم نے اس (قارون) کو اتنے خزانے دیئے تھے کہ ان کی کنجیاں کئی زور آور جماعت سے بمشکل اٹھتی تھیں۔

اسی طرح جب شعیب علیہ السلام نے اپنی تاجر قوم کو کم تولنے اور ناپنے، خرید و فروخت میں خیانت اور دھوکہ دہی سے منع کیا تو ان شیطانوں نے بھی از راہ تمسخر شعیب علیہ السلام

کو بھی جواب دیا قرآن حکیم ان کا جواب نقل کرتا ہے:

﴿يا شعيب أصلوتك تأمرك أن نترك ما يعبد آباؤنا أو أن نفعل في أموالنا ما نشاء﴾ [هود: ۸۷]

ترجمہ: اے شعیب کیا تمہاری نماز تم سے کہتی ہے کہ ہم اپنے باپ دادا کے معبودوں کو چھوڑ دیں یا اپنے اموال میں جو تصرف کرنا چاہتے ہیں اس کو چھوڑ دیں

اور اسی انانیت کے تحت فرعون جس نے زرخیز ملک مصر کی حکومت کی بنیاد پر خدائی کا دعویٰ کیا تھا، کہتا ہے:

﴿أليس لي ملك مصر وهذه الأنهار تجري من تحتي﴾

[الزخرف: ۵۱]

ترجمہ: کیا میرا نہیں ہے ملک مصر اور یہ دریا جو میرے اقتدار کے تحت بہہ رہے ہیں۔ دولت کا یہی نشہ ہے جو اچھے بھلے انسان کو عقل سے محروم کر دیتا ہے اور شیطان کی طرح سرکش بنا دیتا ہے۔ خالق کائنات مالک الملک پروردگار عالم نے اس نشہ کی قوت سے عاقبت نااندیش انسان کو بڑی تاکید کے ساتھ ہوشیار فرمایا ہے۔ ارشاد ہے:

﴿كلا إن الإنسان ليطغى أن رآه استغنى﴾ [العلق: ۶، ۷]

ترجمہ: کوئی شک نہیں بیشک انسان سرکش بن جاتا ہے جب یہ دیکھتا ہے کہ وہ (اب سب سے) مستغنی ہو گیا۔

اللہ جل جلالہ نے اس خطرہ جو مخلوق انسانی کی تباہی کا باعث ہے کو اس آیت کریمہ میں کس خوبی سے ظاہر فرمایا ہے کہ جب عاقبت نااندیش انسان محض اپنی غلط فہمی کی بنا پر یہ سمجھ بیٹھتا ہے کہ وہ اب غنی ہو گیا ہے تو دولت کے عطا فرمانے والے منعم حقیقی سے سرکشی و سرتابی پر اتر آتا ہے حالانکہ قہر الہی کا ایک تھپیڑا چشم زدن میں اس کو اور اس کے تمام سامان ثروت کو اسی طرح تباہ کر ڈالتا ہے جیسے قارون کو اس کے خزانوں سمیت چشم زدن میں زمین کے اندر دھنسا دیا یا فرعون اور اس کی پوری قوم کو اسی مصر کے دریا میں غرق کر دیا جس پر اسے ناز تھا اور اسی زرخیز ملک مصر کا مالک صدیوں کی مظلوم و مجبور قوم بنی اسرائیل کو بنا دیا۔ شعیب علیہ السلام کی نیابت کا سرمایہ پرست

سے خطاب ہے:

۱: ﴿أمن هذا الذي يرزقكم إن أمسك رزقه بل لجوا في عتو ونفور﴾ [الملک: ۲۱]

ترجمہ: بھلا وہ کون ہے جو روزی دے تم کو اگر وہ (اللہ) اپنے رزق روک لے (روزی دینا بند کر دے) بلکہ وہ (کفار) تو سرکشی اور (پروردگار سے) فرار پر اڑے ہوئے ہیں۔

۲: ﴿أرأيتم إن أصبح ماؤكم غورا فمن يأتيكم بماء معين﴾ [الملک: ۳۰]

ترجمہ: ذرا بتلاؤ تو اگر تمہارا (سارا) پانی خشک ہو جائے (اور زمین کی سوتیں بند ہو جائیں) تو کون ہے جو تمہارے لئے خوشگوار شیریں پانی لائے۔

کھانا کھانے والوں کے لئے ارشاد ہے:

﴿فلينظر الإنسان إلى طعامه أنا صببنا الماء صبا ثم شققنا الأرض شقا فأنبتنا فيها حبا وعنبا وقضبا وزيتونا ونخلا وحدائق غلبا وفاكهة وأبا متاعا لكم ولأنعامكم﴾

[عبس: ۲۴-۳۱]

ترجمہ: انسان کو اپنے کھانے پر غور کرنا چاہئے (کہ وہ کس نے دیا ہے) ہم ہی نے مناسب مقدار میں پانی اتارا (برسایا) پھر زمین کو (دانہ پھوٹ کر نکلنے کے لئے) مناسب طریق پر پھاڑا پھر اگایا ہم نے غلہ انگور ترکاریاں، زیتون، کھجوریں، اور گنجان باغات اور پھل اور چارہ تمہارے اور تمہارے مویشیوں کا سامان زندگی (غذا اور چارہ) بنانے کے لئے۔

درحقیقت یہ سب کچھ اور دھرتی کس کا ہے؟ سنئے:

﴿لله ما في السموات وما في الأرض﴾ [البقرة: ۲۸۴]

ترجمہ: اللہ کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔

آخر میں کس کی ہوگی؟

﴿ولله ميراث السموات والأرض﴾ [آل عمران: ۱۸۰]

ترجمہ:اور اللہ ہی وارث ہے آسمانوں کا اور زمین کا۔

نیز ارشاد ہے:

﴿وانا لنحن نحی ونمیت ونحن الوارثون﴾ [الحجر:۲۳]

ترجمہ: اور حقیقت یہ ہے کہ ہم ہی ہیں جلانے والے اور مارنے والے اور ہم ہی ہیں (سب کے) وارث۔

قرآن حکیم جگہ جگہ مختلف عنوانات سے تصریح کر رہا ہے کہ جو کچھ بھی تمہارے پاس ہے سب ہمارے دیا ہے اور خرچ کرنے کے لئے دیا ہے۔ اگر تم نے خرچ کرنے کے بجائے زراندوزی کی تو یہ خیانت ہوگی اور تم خائن و مجرم اور مستحق عقوبت ہو گے۔

ہاں خرچ کرنے میں اعتدال بھی ضروری ہے عباد الرحمٰن کی صفات کے ذیل میں ارشاد ہے:

﴿والذین اذا انفقوا لم یسرفوا ولم یقتروا وکان بین ذلک قواما﴾ [الفرقان:۶۷]

ترجمہ: اور وہ لوگ جو خرچ میں نہ فضول خرچی کرتے ہیں نہ تنگی اور کنجوسی اور وہ خرچ ہی (فضول خرچی اور کنجوسی) کے درمیان اعتدال پر ہوتا ہے۔

نیز اعتدال یعنی انفاق میں بخل و امساک یا اسراف و تبذیر کا نتیجہ یہ ہوگا:

﴿ولا تجعل یدک مغلولۃ الی عنقک ولا تبسطھا کل البسط فتقعد ملوما محسورا﴾ [الاسراء:۲۹]

ترجمہ: اور مت رکھ اپنے ہاتھ کو اپنی گردن سے بندھا ہوا اور نہ اس کو بالکل ہی کھول دے پھر تو بیٹھ رہے گا قابل ملامت بن کر، گھبرا ہوا چلا ہو کر۔

یہ ہے قرآن حکیم کا حکم "انفاق" اور اس کی تفصیلات مزید اطمینان کے لئے قرآن کریم میں اس کے تذکرہ کو غور و فکر کے ساتھ پڑھئے۔

جاری ہوگی)۔

حالانکہ میت کے مال میں سے سب سے پہلے قرض ادا کرنے کا حکم ہے مگر اس کے باوجود صرف وصیت کا پہلے ذکر فرمایا۔ "توصون بہا" کا بھی اضافہ فرمایا ہے اسی لئے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے:

"ما حق امرء مسلم له شيء يوصي فيه يبيت ليلتين إلا و وصيته مكتوبة عنده"[1]

ترجمہ۔ ایک مسلمان آدمی کے لئے جس کے پاس کوئی چیز ہو جس کی وہ وصیت کرنا چاہتا ہو یہ جائز نہیں کہ وہ وصیت کو لکھے بغیر ایک رات بھی بسر کرے۔

وقف

وقف بھی انفاق ہی کی ایک خاص صورت ہے جس میں ارباب اموال بقدر وسائل کے تحت، بحالت صحت و احتیاج مال کے اپنے فاضل اموال و املاک سے کسی خاص حصہ یا کل اموال و املاک کی آمدنی کو وجوہ خیر میں سے کسی مد کو خیر کے لئے ہمیشہ کے لئے وقف کردیتے ہیں تاکہ صدقہ جاریہ کے طور پر اس کا ثواب انہیں ہمیشہ ملتا رہے اور مخلوق خدا اس سے مستفید ہوتی رہے۔

وقف اور وصیت انفاق فی سبیل اللہ کی ایسی دو اہم ترین صورتیں ہیں جو مسلمان معاشرہ کے پاکیزہ جذبہ ہمدردی، احسان اور خدمت خلق کا عظیم مظہر اور معاشی عدل کو استوار رکھنے کا زبردست وسیلہ ہیں۔ اسی لئے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے:

"الخلق عيال الله فأبرهم إلى الله أبرهم بعياله"

ترجمہ۔ مخلوق اللہ کی عیال ہے، اللہ کے ساتھ سب سے اچھا سلوک کرنے والا وہ شخص ہے جو اس کی عیال کے ساتھ اچھا سلوک کرے۔

---

(1) البخاری، ۲۸۹/۳۸۲، ۱، ط: قدیمی کراچی، مسلم، ۲/۳۹، کتاب الوصیۃ، ط: قدیمی کتب خانہ کراچی

معاشی بحران اور اس کے رفع کرنے کی تدابیر

جس طرح عبادات بدنیہ میں صلاۃ دین کا اہم ترین ستون اور رکن ہے اسی طرح عبادات مالیہ میں دین کا اہم ترین رکن اور فریضہ زکوٰۃ ہے۔

درحقیقت اللہ رب العالمین نے دو عظیم نعمتیں انسان کو عطا فرمائی ہیں ایک جان دوسری مال۔ جان کا شکر نعمت عبادات بدنیہ ہیں جن میں سرفہرست نماز ہے۔ ناطق بالصواب خلیفہ دوم حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں ممالک اسلامیہ کے تمام عمال حکومت کے نام ایک گشتی فرمان جاری فرمایا تھا جس میں تحریر تھا:

"إن أهم أموركم عندي الصلاة من حفظها وحافظ عليها فهو حفظ دينه ومن ضيعها فهو لما سواها أضيع" [مشکوٰۃ ۵۹]

ترجمہ: بیشک تمہارے دین کے کاموں میں سب سے زیادہ اہم نماز ہے جس شخص نے اس کی حفاظت کرلی وہ اور کاموں کی حفاظت پر بدرجہ اولیٰ کرے گا اور جس شخص نے نماز کو ضائع کردیا وہ اور کاموں کو بدرجہ اولیٰ ضائع کردے گا۔

اور مال کا شکر نعمت عبادات مالیہ ہیں جن میں سرفہرست زکوٰۃ ہے۔ سرخیل صدیقین خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں مانعین زکوٰۃ (زکوٰۃ ادا کرنے سے انکار کرنے والوں) کے متعلق فرمایا تھا:

"واللہ لأقاتلن من فرق بين الصلاة والزكوة فإن الزكوة حق المال"[1]

ترجمہ: خدا کی قسم میں اس شخص سے ضرور جنگ کروں گا جس نے نماز اور زکوٰۃ میں فرق کیا (نماز پڑھی اور زکوٰۃ نہیں دی) اس لیے کہ زکوٰۃ مال کا حق ہے (جیسے کہ نماز جان کا حق ہے)۔

---

(1) صحیح مسلم ۱/۳۷ باب الدعاء إلى الشهادتين وشرائع الإسلام.

بہرصورت اگرچہ زکوٰۃ بھی انفاق فی سبیل اللہ کے تحت داخل اور انفاق کا وہ ادنیٰ مرتبہ ہے جس کے ادا کرنے کے بعد انسان کا جمع کردہ مال کنز کا مصداق نہیں رہتا تاہم متعدد وجوہ سے زکوٰۃ عام انفاقات سے مختلف ہے:

(۱) وجوب زکوٰۃ کے لئے ہر مختلف مال کی ایک حد مقرر ہے جسے شریعت کی اصطلاح میں نصاب کہا جاتا ہے۔ اس مقدار مال کا حاجات اصلیہ سے زائد اور فارغ ہونا وجوب زکوٰۃ کے لئے شرط ہے۔ انفاق میں یہ شرط نہیں ہے۔

(۲) اسی طرح ہر مال میں زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی بلکہ جن اموال میں زکوٰۃ واجب ہوتی ہے ان کی انواع و اصناف شریعت نے مقرر فرما دی ہے جن کو فقہ کی اصطلاح میں اموال نامیہ (نمو پذیر مال) کہتے ہیں اور چونکہ مدار وجوب زکوٰۃ "نمو" یعنی بڑھنے پھلنے کی صلاحیت رکھنے پر ہے اس لئے صاحب شریعت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حولان حول یعنی اس مال پر سال گزر جانے کو شرط قرار دیا ہے۔ اسی لئے زکوٰۃ صرف مقررہ اموال نامیہ پر سال گزر جانے کے بعد سال بسال واجب ہوتی ہے۔ انفاق میں اس قسم کی کوئی شرط نہیں ہے زکوٰۃ میں یہ تمام تحدیدات صرف اس لئے ہیں کہ زکوٰۃ ایک ایسا مالی فرض ہے کہ اگر کوئی صاحب نصاب بلا عذر سال گزرنے کے باوجود زکوٰۃ ادا نہ کرے تو اسلامی حکومت اس کو زکوٰۃ ادا کرنے پر مجبور کر سکتی ہے اور اگر کوئی قوم زکوٰۃ ادا کرنے سے انکار کرے تو مسلمانوں پر اس قوم سے جنگ کرنا فرض ہے اس لحاظ سے بھی زکوٰۃ عام "انفاق فی سبیل اللہ" سے مختلف اور جدا ہے۔

اسی لئے قرآن حکیم نے بھی زکوٰۃ کے متعلق جا بجا "وآتی الزکوٰۃ" اور زکوٰۃ ادا کی اور "والمؤتون الزکوٰۃ" اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔ اور اس کے علاوہ لفظ "ایتاء" سے مشتق صیغے (بکثرت) استعمال کئے ہیں اور "انفاق" کے متعلق "انفق" خرچ کیجئے اور "ینفقون" خرچ کرتے ہیں، وغیرہ اسی قسم کے انفاق سے نکلے ہوئے الفاظ استعمال کئے ہیں گویا زکوٰۃ ایک فرض ہے جس کو مسلمان ادا کرتا ہے اور انفاق انسان کا ایک خرچ ہے اور انسان مال کماتا ہی ہے خرچ کرنے کے لئے۔

مناسب ہوگا اگر ہم زکوٰۃ کے قومی معیشت اور اسلام کے معاشی نظام میں اہمیت و افادیت کو ظاہر کرنے کی غرض سے جن اموال میں جتنی زکوٰۃ واجب ہوتی ہے اجمالاً ان کا تذکرہ کردیں تفصیلی ادکام زکوٰۃ تو کتب فقہ سے ہی معلوم ہو سکتے ہیں۔

اموال نامیہ

○ اموال تجارت خواہ کسی بھی چیز کی تجارت ہوتی ہو کسی خاص قسم کی ملی پتھروں کی ہی تجارت کیوں نہ ہو، اگر سال گزرنے پر ضروری اخراجات نکال کر بقدر نصاب یعنی دو سو درہم (تقریباً ۵۲ تولے) چاندی کی مالیت کا خالص منافع بچتا ہو تو اس پر چالیسواں حصہ زکوٰۃ ادا کرنی ہوگی۔

(۲) سونا چاندی خواہ اپنی اصلی حالت پر ہوں خواہ زرمسکوک یعنی سکہ کی صورت میں خواہ زیورات و ظروف وغیرہ کی شکل میں ہوں اگر بقدر نصاب موجود ہوں یعنی سونا ساڑھے سات تولے چاندی ساڑھے باون تولے یا اس سے زائد ہو تو سال گزرنے پر ان پر بھی چالیسواں حصہ زکوٰۃ ادا کرنی ہوگی۔

(۳) زمین کی پیداوار غلہ، پھل، ترکاریاں وغیرہ ہر وہ چیز جس کی کاشت کی جائے تھوڑی یا بہت اگر بارانی زمین کی پیداوار ہو تو اس کا دسواں حصہ (عشر) اور اگر نہری یا چاہی زمین کی پیداوار ہو تو اس کا چالیسواں حصہ (نصف عشر) زکوٰۃ ادا کرنی ہوگی۔

(۴) اموال سائمہ یعنی افزائش نسل کی غرض سے پالے ہوئے خودرو جنگل میں چرنے والے مویشی، اونٹ، گائے، بھینس، بھیڑ، بکری وغیرہ۔ سال گزرنے پر ہر قسم کے جانوروں سے ان کے نصاب کے مطابق مقررہ مقدار میں زکوٰۃ لی جائے گی۔ تفصیل کتب فقہ سے معلوم کیجئے۔ یہی مویشی اگر افزائش نسل کے بجائے ان کی پالائی کے منافع، دودھ، اون وغیرہ کی تجارت کی غرض سے پالے ہوں تو اموال تجارت میں محسوب ہوں گے۔ صدقات واجبہ یعنی کفارہ صوم، کفارہ یمین، کفارہ ظہار، کفارہ قتل خطا، جنایات حج و عمرہ و احرام یا نذر یعنی مانی منتیں جو کسی بھی وقت مانی جائیں، صدقہ فطر، قربانی یہ تمام صدقات بھی زکوٰۃ کے تحت داخل ہیں اور ان کا ادا کرنا بھی واجب ہے۔

زکوٰۃ اور انفاق اس لحاظ سے بھی دو مختلف اور الگ چیزیں ہیں کہ زکوٰۃ کے مصارف مخصوص اور متعین ہیں ان کے علاوہ اور کسی بھی نیکی کے مصرف یا کارِ خیر میں زکوٰۃ نہیں صرف کی جا سکتی۔

اللہ جل شانہ کا ارشاد ہے:

﴿إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِينِ وَالْعَامِلِينَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغَارِمِينَ وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ وَابْنِ السَّبِيلِ فَرِيضَةً مِنَ اللَّهِ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ﴾

[التوبہ: ۶۰]

ترجمہ: اس کے سوا نہیں کہ صدقات تو صرف محتاجوں، فقیروں اور زکوٰۃ (کی وصولی) کے عاملوں کے لئے ہے اور ان لوگوں کے لئے جن کی تالیفِ قلب کی جاتی ہے اور گردنوں کو آزاد کرانے کے لئے (غلامی) تاوان اپنے ذمہ لینے والوں کے لئے اور اللہ کی راہ میں (جہاد کرنے والوں) کے لئے ہے، یہ اللہ کی جانب سے بندوں پر فرض ہے اور اللہ خوب جاننے والا حکمت والا ہے۔

دیکھئے ان مصارفِ ثمانیہ زکوٰۃ و صدقات کے آٹھ مصرف اور مصارفِ انفاق میں جن کا بیان آپ پڑھ چکے ہیں فقیر، مسکین، مسافر، غازی اور مدیون تو مشترک ہیں، باقی مختلف ہیں چنانچہ بیوی کو، نابالغ اولاد کو، ماں باپ کو غلاموں یا کنیزوں کو زکوٰۃ نہیں دی جا سکتی، علاوہ ازیں ان مصارفِ ثمانیہ میں بھی عاملین یعنی محصلین زکوٰۃ کے علاوہ بقیہ مستحقین زکوٰۃ میں اصل وصف موثر فقر و احتیاج ہے چنانچہ مذکورہ بالا اصناف میں سے کوئی بھی صنف مثلاً مسافر، غازی اور مدیون اگر غنی ہوں تو ان کو زکوٰۃ نہیں دی جا سکتی اسی لئے نبی علیہ الصلاۃ والسلام تصریح فرماتے تھے:

"ان اللہ قد فرض علیہم زکوٰۃ اموالہم تؤخذ من اغنیائہم وترد الی فقرائہم" (۱)

ترجمہ: بیشک اللہ تعالیٰ نے ان پر ان کے مالوں کی زکوٰۃ فرض کی ہے جو ان کے

---

(۱) البخاری ۲۰۲/۱، کتاب الزکوٰۃ باب اخذ الصدقۃ من الاغنیاء و ترد فی الفقراء، ط: قدیمی

مالداروں سے لی جائے گی اور انہی کے فقیروں محتاجوں پر صرف کر دی جائے گی۔

اس فرمان نبوی علیہ الصلاۃ والسلام کی اصل روح تو یہ ہے کہ ہر قوم اور ہر خطہ کا دولت مند طبقہ جس طرح اپنی اور اپنے اہل وعیال کی ضروریات پوری کرنے کا کفیل ہے اسی طرح وہ اپنی قوم اور خطہ کے فقراء ومساکین کی ضروریات پوری کرنے کا بھی ذمہ دار ہے۔ اسی غرض سے اس پر زکوۃ فرض کی گئی ہے دوسرے لفظوں میں ان کے اموال میں صرف انکا اور ان کے بیوی بچوں ہی کا حق نہیں ہے بلکہ اس قوم کے پاس پڑوس کے جتنے فقراء اور محتاجین ہیں ان کا بھی حق ہے چنانچہ آیت کریمہ: ﴿وفی اموالھم حق للسائل والمحروم﴾ میں اسی حق کی تصریح فرمائی ہے۔ اسی طرح حدیث "ان فی المال حقا سوی الزکوۃ" سے بھی واضح ہے کہ ایک مسلمان دولت مند کے مال میں زکوۃ مفروضہ کے علاوہ بھی حقوق ہیں اور ان اصحاب حقوق میں فقراء و مساکین سب سے پہلے مستحق ہیں۔

بہر حال اتنا تو اس حدیث سے قطعاً واضح ہے کہ ہر قوم اور ہر خطہ کے فقراء ومساکین کی ضرورت واحتیاج اس قوم یا خطہ کے اغنیاء کی زکوۃ سے پہلے پوری کی جائے گی اگر اس سے بچے تو دوسری قوم یا دوسرے خطہ کے فقراء کو دی جا سکتی ہے گویا قرابت داروں اور ہمسایوں کی طرح فقراء ومساکین میں بھی الاقرب فالاقرب کا اصول ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔

بنیادی طور پر قومی معیشت میں ذرائع ووسائل آمدنی تین ہیں:

① زراعت ② صنعت ③ تجارت

جن کا ملک کے تین طبقوں سے تعلق ہے:

① کاشتکار ② صنعت کار ③ تاجر

حرص وآز اور طمع دولت اندوزی کے حد اعتدال سے بڑھ جانے کے بعد ان میں سے ہر طبقہ اپنے فاضل مال کو فقراء ومستحقین پر خرچ کرنے کے بجائے اپنے اموال ووسائل کو زیادہ بڑھانے میں صرف کرتا ہے۔

چنانچہ بڑی آمدنیوں والے کاشتکار رفتہ رفتہ چھوٹے کاشتکاروں سے ان کی زمینیں

انفاقات میں اسلام یا اشتمالیت ہو، جبر کا نتیجہ سرمایہ داروں کی جمع کردہ دولت پر زبردستی قبضہ کر لینے کو (جس کا نام آج کل کی اصطلاح میں "قومیانا" ہے) تحسین نہیں دیتا اس لئے کہ یہ صریح ظلم ہے لہٰذا اسلام نے تینوں قسم کے اغنیاء پر ان کے مال و نقدی اموال تجارت کا چالیسواں حصہ اور زرعی پیداوار کا دسواں یا بیسواں حصہ بصورت زکوٰۃ و عشر فقراء اور مساکین پر تقسیم کرنے کو فرض اور لازم قرار دیا ہے اور خود ادا نہ کرنے کی صورت میں اسلامی حکومت کو ان کے املاک سے وصول کرنے فقراء و مساکین پر تقسیم کر دینے کا حکم دیا ہے تاکہ ارباب اموال کی جمع کردہ دولت کسی درجہ میں تو گردش میں آتی رہے اور سرمایہ کی تجمید نہ ہو۔

نظری اعتبار سے تو اگرچہ یہ فاضل اموال کا چالیسواں حصہ اور زمین کی پیداوار کا دسواں یا بیسواں حصہ اکتناز زر اور تجمید دولت کے قلع قمع کرنے میں کچھ زیادہ موثر اور نتیجہ خیز محسوس نہیں ہوتا لیکن واقعہ یہ ہے (ماہرین معاشیات بھی اسے تسلیم کرتے ہیں) کہ اگر ملک کے تمام دولت مند خصوصاً بینک اور کروڑ پتی سرمایہ دار اپنے اموال کی پوری پوری زکوٰۃ ہر سال نکالتے اور واقعی ضرورت مندوں کو تقسیم کرتے رہیں اسی طرح زمیندار اور جاگیردار زرعی پیداوار سے ہر فصل پر دسواں یا بیسواں حصہ دیانتداری کے ساتھ نکال کر ضرورت مندوں کی معاشی ضروریات پوری کرتے رہیں تو اسلامی معاشرہ میں کوئی ایک فرد بھی بنیادی ضروریات روٹی، کپڑا، مکان اور ان کے لوازمات کے لئے محتاج نہیں رہ سکتا اور ملک فقر و افلاس کے تسلط اور اس کے نتیجہ میں جنم لینے والے معاشرتی جرائم سے بڑی حد تک پاک رہے گا۔ اور معاشی بحران سے بھی ملک محفوظ رہے گا

حق یہ ہے کہ یہ مالدار اور سرمایہ دار طبقہ جس طرح حکومت کے ٹیکس ادا کرنے میں طرح طرح سے خیانتیں کرنے اور ٹیکس وصول کرنے والوں کو دھوکہ دینے کا عادی ہے اسی طرح زکوٰۃ ادا کرنے کے بارے میں بھی حیلے جو ہیں اور خیانتیں کرتے ہیں اور ہم نے بہت کم دیکھا ہے کہ لکھ پتی اور کروڑ پتی سرمایہ دار اپنے مال کی زکوٰۃ نکالتے ہی نہیں اور جو چند زکوٰۃ نکالتے بھی ہیں تو وہ ادنی جوئی قیمتیں کسی بھی نیک کام میں صرف کر کے اپنے دل میں مطمئن ہو جاتے ہیں کہ ہم نے زکوٰۃ

نکال دی حالانکہ زکوٰۃ کے ادا ہونے کے لئے ان مخصوص مستحقین زکوٰۃ کو مالک بنانا ضروری ہے
جن کی قرآن کریم نے تعیین کی ہے ہر کار خیر میں زکوٰۃ صرف نہیں کی جا سکتی۔

اس وقت جبکہ چند خاندانوں کے ہاتھوں میں ناجائز حکومت کی نام نہاد پالیسی کی وجہ سے
ملک کا تمام سرمایہ جمع ہو گیا ہے اگر وہ خدا کو حاضر و ناظر جان کر اپنے پورے سرمایہ کا چالیسواں حصہ
اور زرعی پیداوار کا دسواں یا بیسواں حصہ نکال کر اپنے اپنے علاقوں کے مستحقین زکوٰۃ ضرورت
مندوں میں تقسیم کریں تو بڑی حد تک ملک کا فقر و افلاس دور ہو سکتا ہے اور وہ خود اپنی زندگی کی کسی
جبری بڑی سزا (یعنی کسی عوامی حکومت کے ان کے اموال و املاک پر زبردستی قبضہ کر لینے) سے
اور آخرت کے رونگٹے کھڑے کر دینے والے عذاب سے نجات پا سکتے ہیں۔

صدقاتِ واجبہ

اسلامی شریعت نے مختلف عنوانات سے موقت اور غیر موقت صدقات اور
کفارات (یعنی بطور عقوبت مالی سزا) بہت کثرت سے مسلمانوں کے ذمے عائد کئے ہیں کہ ان
کے ذریعے بھی آس پاس کے حاجتمندوں کی کافی حد تک معاشی اعانت ہو سکتی ہے۔

① موقت صدقاتِ واجبہ

موقت صدقات واجبہ میں عید الفطر کے موقعہ پر صدقۃ الفطر سب ہی مسلمان نکالتے ہیں
اگر پیشہ ور بھکاریوں کو دینے کے بجائے اپنی ذاتی واقفیت کے تحت عید کی نماز سے پہلے سامان عید
سے محروم حاجتمندوں کو منظم طریق پر پہنچا دیا کریں تو وہ بھی کم از کم عید کے اسلامی تہوار منانے کا
سامان مہیا کر کے اپنے خوش حال بھائیوں کے ساتھ عید کی خوشیاں منا سکیں کہ یہی اس صدقہ
کو واجب کرنے کا مقصد ہے مگر ہمارا وہ طبقہ جو دینی شعور کی روح سے بے خبری اور بے اعتنائی کو
لئے صدقہ فطر نکالتے ہیں وہ عموماً بے مصرف ضائع ہوتا ہے یا اہتمام و تنظیم نہ ہونے کی وجہ سے
خاطر خواہ مقصد حاصل نہیں ہوتا جس کے لئے صاحب شریعت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صدقۃ الفطر
کو واجب فرمایا ہے۔

ہیں تاکہ ان کے ذریعہ ضروریات زندگی سے محروم خلق خدا کی معاشی اعانت ہوتی رہے
غرض قوم کے ارباب اموال اور خوشحال لوگوں کے اموال میں سے معتد بہ رقم زکوٰۃ،
عشر، قربانی اور صدقات و نذور وغیرہ کے عنوان سے نکلتے رہنا پروردگار عالم نے ان دولتمندوں
اور خوشحال لوگوں پر فرض قرار دیا ہے اگر یہ طبقہ اپنے اموال میں سے یہ رقم دیانتداری کے ساتھ
نکالے اور مستحقین پر اہتمام و احتیاط کے ساتھ خرچ کرتا رہے تو اسلامی ملک میں فقر و افلاس کا مسئلہ
بطریق احسن حل ہوسکتا ہے۔

مگر یہ جب ہی ممکن ہے کہ مسلمانوں کے مالدار اور خوشحال طبقہ کا ضمیر مردہ نہ ہوگیا
ہو اور ملک کی ۹۰ فیصد فقراء اور بیوگان اور مفلسان، سے محروم خلق خدا کی حالت زار کا احساس ان کے
باحمیت دلوں میں موجود ہو۔

مگر ہائے محرومی کہ اس دولت کے نشہ میں مست طبقہ کی بے حسی اس حد تک پہنچ گئی
ہے کہ خدائی قہر ہی ان کی آنکھیں کھول سکتا ہے۔ العیاذ باللہ والیہ المشتکیٰ

میراث

قرآن حکیم نے جن مختلف قسم کے انفاقات کا جا بجا مختلف عنوانات کے ساتھ ذکر فرمایا
ہے اور پیغمبر اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انواع و اقسام اموال زکوٰۃ پر وجوب زکوٰۃ کے جو
تفصیلی احکام بیان فرمائے ہیں اگر مسلمان سرمایہ دار اور جاگیردار صدق دل سے ان پر عمل کرتے
رہیں تو ملک کی دولت قومی معیشت میں قطعاً گردش کرتی رہے اور سرمایہ برابر دست بدست متحرک
رہے چند ہاتھوں یا چند خاندانوں میں سرمایہ رک ہی نہیں سکتا اور اگر اتفاقاً کسی فرد کے پاس رک
بھی جائے یعنی ان انفاقات زکوٰۃ و صدقات ادا کرتے رہنے کے باوجود سرمایہ جمع ہو ہی جاتا
ہے تو اس کی وفات کے بعد اسلامی احکام کے مطابق میراث تقسیم کرنے کے بعد وہ سرمایہ خواہ کسی
بھی صورت میں ہو متفرق اور متعدد ٹکڑوں میں تقسیم ہو کر حرکت میں آجاتا ہے تمام املاک کے
ایک فرد (مرنے والے) کے بجائے متعدد افراد ذوی الوراثات (مرد بھی عورتیں بھی) مالک بن
جاتے ہیں اور ارتکاز دولت کی بیخ کنی ہوجاتی ہے۔

اگر پاکستانی حکومت ملک کی موجودہ جاگیرداریوں کو غیر اسلامی اور ظالمانہ طریق پر (جس کا نام غیر اسلامی حکومتوں نے "قومیانہ" رکھا ہے) قبضہ میں لینے اور غصب کرنے کے بجائے (جس کا ملک کے تمام جاگیرداروں اور زمینداروں کو صرف تین پشتوں کی املاک کو شرعی طریق توریث کے مطابق تقسیم کرنے کے احکامات جاری کردے تو ملک کی موجودہ جاگیریں اور زمینداریاں (جو سینکڑوں مربعوں اور ہزاروں ایکڑ زمین کے رقبہ پر مشتمل ہیں) سب کی سب خالص اسلامی طریق پر تقسیم ہو کر خود بخود ختم ہو جائیں اور سینکڑوں ہزاروں زمین سے محروم لوگوں کے پاس زمینیں پہنچ جائیں اور ساتھ ہی جاگیرداروں اور زمینداروں کی معاشی گرفت بلکہ استحصال سے خدا کی مخلوق آزاد ہو جائے۔

غرض اسلام کے معاشی نظام کو استوار رکھنے اور منصفانہ تقسیم دولت کے یہ تین بنیادی اصول ہیں:

① مسلمان صاحب مال کی ضروریات سے زائد اموال کا مختلف مدات میں انفاق (خرچ کرتے رہنا)

② صاحب نصاب مسلمان مالداروں کے نقد یا اموال اور پیداوار میں سے زکوۃ اور عشر یا نصف عشر اور صدقات واجبہ ادا کرتے رہنا۔

③ مسلمان مرنے والے کی تمام املاک کی ورثہ (ذوی الفروض، عصبات اور ذوی الارحام) پر حسب قاعدہ شرعیہ تقسیم کرنا۔

ان تینوں اصول پر عمل کرنے کی صورت میں کسی اسلامی ملک میں اکتناز یعنی قومی سرمایہ کے چند ہاتھوں یا چند خزانوں میں سمٹ کر جام ہو جانے کا کوئی امکان باقی نہیں رہتا۔ اور نہ ملک کے ۹۰ فیصد افراد فقر و افلاس کی انسانیت سوز اور مذہب دشمن لعنت میں گرفتار ہو سکتے ہیں اور نہ کسی اسلامی ملک میں اشتراکیت اور سوشلزم کے پروپیگنڈے کے لئے فضا سازگار ہو سکتی ہے اور نہ ملک میں معاشی بحران کا وہ آتش فشاں پہاڑ پھٹ سکتا ہے جس کا لاوا ملک کے امن و سلامتی کو بھسم کر سکے جس کا تماشا ملک میں فوجی حکومت قائم ہونے سے پہلے ہم دیکھ چکے ہیں۔

اسلام میں معاشی مساوات

اور عدل کا مطلب

یاد رکھئے معاشی مساوات اور عدل و انصاف کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ ملک کے تمام افراد (اعلیٰ سے ادنیٰ تک) ایک ہی قسم کی خوراک کھائیں ایک ہی قسم کا لباس پہنیں ایک ہی قسم کے مکان میں رہیں اور سب کے سب یکساں لوازمات زندگی کے مالک ہوں اگر کسی کارخانے کے مالک کے پاس رہنے کے لئے بنگلہ ہے تو ویسا ہی بنگلہ کارخانے کے ہر مزدور اور ملازم کے پاس ہونا چاہیے اگر کارخانے کے منیجر کے پاس کار ہے تو ہر مزدور کے پاس ویسی ہی کار ہونی چاہیے اگر ایک ماہر فن اور آزمودہ کار کاریگر کو ہزار روپے ماہوار تنخواہ ملتی ہے تو اس کارخانے کے ہر ایک پاسبان اور چوکیدار کو بھی ایک ہزار روپیہ ماہوار تنخواہ ملنی چاہیے اسی طرح اگر ایک دس مربع زمین کے مالک زمیندار کے پاس رہنے کے لئے بنگلہ ہے کار ہے یا گھوڑی ہے تو اس کے ہر مزارع اور کاشتکار کے پاس ایسا ہی بنگلہ، ویسی کار یا گھوڑی ہونی چاہئے۔ وقس علیٰ ہذا القیاس۔

اس قسم کی مساوات تو قانون فطرت کے بالکل خلاف اور قوم و ملک کے افراد کی ابھرتی ہوئی امنگوں، متنوع صلاحیتوں اور ولولوں پر ظلم بلکہ ان کی بیخ کنی کے مترادف ہے اور زندگی کے مختلف شعبوں اور گوناگوں شعبہ ہائے معیشت کی ہمہ گیر ترقی کو مسدود کر دینے کے ہم معنی ہے جو سب سے بڑا قومی معیشت پر ظلم بلکہ جرم ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ:

ہر کسے را بہر کارے ساختند

قدرت خداوندی نے ہر انسان میں فطری طور پر زندگی کے شعبوں میں سے کسی نہ کسی شعبہ کے ذریعہ کسب معاش کی کوئی خاص اہلیت اور صلاحیت ودیعت فرمائی ہے کہ دوسرے انسان میں ویسی اہلیت و صلاحیت نہیں ہوتی ورنہ پھر تو گوناگوں قسم کے بہتر و وافر روزی حاصل کرتے

رب العالمین نے کچھ انسان فطری طور پر ایسی صلاحیتوں اور دلچسپیوں کے مالک پیدا فرمائے جو خام اشیاء کو انسانی ضروریات زندگی اور ان کے لوازمات میں کام آنے والی صورتوں میں تبدیل کرنے کی اہلیت رکھتے ہوں اور کسب معاش کی خلقی احتیاج اور زیادہ سے زیادہ فراخ روزی اور خوشحال زندگی حاصل کرنے کے فطری جذبے کے تحت اپنی دلچسپیوں اور صلاحیتوں کو خام اشیاء سے نوع بنوع مصنوعات پیدا کرنے میں صرف کرے یہ انسانی معیشت کا دوسرا شعبہ ہے تمام صنائع وحرف ادنیٰ سے لیکر اعلیٰ تک سب اس کے تحت داخل ہیں۔

انسانی ذہن و فکر اور قوت دریافت و قوت ایجاد و اختراع جوں جوں ترقی کرتی گئی ضروریات و لوازمات زندگی کا تنوع جس قدر بڑھتا گیا اسی قدر صنعتوں کا دامن وسیع سے وسیع تر ہوتا گیا۔ صنعت کاروں نے فراخ سے فراخ تر روزی کمانے اور آمدنی بڑھانے کے فطری جذبہ کے تحت اپنی کارکردگی کو بڑھانے مصنوعی پیداوار میں اضافہ کرنے کی غرض سے مشینیں ایجاد کرڈالیں اور انسانوں کے بجائے ان سے کام لینا شروع کردیا یہاں تک کہ آج کی دنیا میں انسانی معیشت کے اندر سب سے زیادہ وسیع اور اہم حصہ صنعت وحرفت کا ہے۔

(۳) طبقہ جو زمین سے پہاڑوں سے دریاؤں سمندروں سے خام پیداوار برآمد کرتا ہے ان کی ان لوگوں سے خرید کر ایک خطہ سے دوسرے خطے میں اور ایک ملک سے دوسرے ملک میں پہنچا بازاروں اور منڈیوں میں لاکر صنعت کاروں کے ہاتھ فروخت کرنا اسی طرح دوسرے طبقے یعنی کاریگروں اور صنعت کاروں کی پیداوار مصنوعات کو ضرورت مندوں تک پہنچانا اور ان کے ہاتھ فروخت کرنا انسانی معیشت کا ایک مستقل اور پہلے دونوں شعبوں سے بالکل مختلف شعبہ ہے خالق کائنات نے اس شعبے کے لئے انسانوں میں مخصوص صلاحیتوں اور دلچسپیوں کا مالک ایک طبقہ ایسا پیدا فرمایا ہے جو اپنے معاشی مفاد اور فراخ سے فراخ تر روزی کے فطری جذبہ کے تحت خام پیداوار اور مصنوعات کی نفع بخش طریق پر خرید و فروخت کرنے کی خاص اہلیت کا مالک ہے اسی کو ذریعہ معاش اور خوشحال زندگی بسر کرنے کا وسیلہ بھی خام اشیاء اور صنعتی پیداوار کی درآمد و برآمد ہے اس کا نام معاشیات کی اصطلاح میں تجارت ہے۔

ہم آگے بڑھنے سے پہلے آپ سے درخواست کریں گے کہ آپ آیت کریمہ یا اس کے اردو ترجمہ کو دوبارہ پڑھیں اور دیکھیں کہ اللہ جل شانہ نے انسان کو زمین پر قدرت دینے اور اس میں معایش (معیشت کے طریقے) تجویز کرنے کا مطلب یہی ہے کہ ہم نے تم کو فطری طور پر اپنے مختلف اور متنوع صلاحیتوں اور رجحانوں کا ایک جامع بنا کر پیدا کیا ہے کہ تم میں سے ہر شخص کسب معاش اور فراخی روزی کے فطری جذبہ کے تحت اپنی اپنی اہلیت و صلاحیت اور فطری رجحانات کے مطابق انسانی معیشت کے شعبوں میں سے موزوں ترین شعبہ میں اپنی کارکردگی کو بروئے کار لائے اور مجموعی طور پر تم سب کی کارکردگی سے انسانی معیشت کا نظام محکم بنیادوں پر نہ صرف استوار رہے بلکہ برابر ترقی کرتا رہے۔ یہ تو ایک جملہ معترضہ تھا۔

بہرحال آپ نے دیکھا کہ انسانوں کی یہ تینوں معاشرتی طبقے (جو انسانی نظام معیشت کے سنگ بنیاد کی حیثیت رکھتے ہیں) اپنی اپنی فطری صلاحیت و اہلیت کے اعتبار سے بھی ایک دوسرے سے مختلف ہیں اور کارکردگی اور دائرہ کار کے اعتبار سے بھی ایک دوسرے سے مختلف ہیں اور ان کی غذا، لباس، مسکن وغیرہ طرز زندگی کے اعتبار سے بھی ایک دوسرے سے مختلف ہیں ان کا معیار زندگی بھی ایک دوسرے سے مختلف ہے۔ فراخی اور خوشحالی کے مظاہر بھی نوعیت کے اعتبار سے ایک دوسرے سے مختلف ہیں مثلاً کسانوں اور ان کے متعلقین کے لئے دیہاتوں کی کھلی فضاء میں سکونت، سادہ مگر قوی اور زود ہضم غذا، مختصر سا لباس ان کی محنت کوشی اور جفاکشی کے لئے موزوں ہیں سامان راحت و آسائش ان کی کارکردگی کے لئے سخت مضر ہے ان کی خوشحالی اور تمول کے مظاہر ان کی کھیتوں کی، مویشیوں کی، آلات و لوازمات کاشتکاری کی اور آب پاشی کے لئے نہروں کی کثرت اور فراوانی ہے اس کے برعکس تاجروں کے کاروبار کے لئے اپنے شہروں میں رہائش جہاں بڑی بڑی منڈیاں ہوں، آراستہ ہوں پررونق بازار ہوں ملکی و غیر ملکی مال تجارت کی دستیابی کی اور وسائل حمل و نقل کی سہولتیں اور درآمد و برآمد کی آسانیاں میسر ہوں ضروری ہے ان کے لئے ہلکی اور زود ہضم غذا، عمدہ باوقار لباس، پختہ اور پر تکلف مکان اور آسائش و آرام کے سامان کی فراوانی ان کے کاروبار کی ساکھ قائم رکھنے کیلئے نہایت ضروری ہے ان کے تمول اور خوشحالی

﴿فإذا قضيت الصلاة فانتشروا في الأرض وابتغوا من فضل الله واذكروا الله كثيرا لعلكم تفلحون﴾ [الجمعة: ۱۰]

ترجمہ: پس جب تم نماز پڑھ چکو تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل (رزق حلال) تلاش کرو اور اللہ کو (ہر حالت میں) کثرت سے یاد کرتے رہا کرو تا کہ تم فلاح پا سکو۔

آیت ذیل تلاش معاش کے لئے سفر کرنے والوں کو فراخ روزی حاصل کرنے کی ترغیب دیتا ہے مگر ساتھ ہی مرنے کے بعد خدا کے سامنے پیش ہونے کو بھی یاد دلاتا ہے:

﴿هو الذي جعل لكم الأرض ذلولا فامشوا في مناكبها وكلوا من رزقه وإليه النشور﴾ [الملك: ۱۵]

ترجمہ: وہی خدا ہے جس نے زمین کو تمہارا فرمانبردار بنا دیا تم اس کی بلندیوں (اور پستیوں) میں چلو پھرو (سفر کرو) اور روزی حاصل کرو (مگر یاد رکھو) اسی کے پاس لوٹ کر جانا ہے۔

قرآن کے ساتھ ساتھ زیادہ سے زیادہ خرچ کرنے کی بھی ترغیب دیتا ہے (جیسا کہ آپ سبق کی ابتدا میں پڑھ چکے ہیں) قرآن مال و دولت کی صورتوں سے جن میں سب سے زیادہ واضح صورت جب مال اور دولت زراندوزی ہے معاشرہ کو نقد رکھنے کی غرض سے سختی کے ساتھ زراندوزی سے منع کرتا ہے اسی طرح ایک طرف اسراف و تبذیر سے دوسری طرف بخل و امساک سے منع کرتا ہے اور اعتدال کے ساتھ خرچ کرتے ہوئے خدا کا قرب حاصل کرنے اور عبادالرحمٰن کے مقدس زمرہ میں شامل ہونے کا ذریعہ قرار دیتا ہے۔ (قرآن کریم کی آیات اس سلسلہ میں آپ سبق کے آخر میں پڑھ چکے ہیں۔

اسلامی معاشیات

خدمت

(مزدوری، نوکری، پیشے اور ہنر سب ہی معاشی دولت ہیں)

علم معاشیات کی اصطلاح کے مطابق خدمت (یعنی معاوضہ حاصل کرنے کی غرض سے دوسرے کے لئے کام کرنا جس کو عرف میں مزدوری یا نوکری کہا جاتا ہے) بھی ایک ذریعہ پیدائش دولت ہے، اس لئے کہ اس خدمت میں خدمت کرنے والے کی معاشی احتیاج پورا کرنے کا وصف بھی پایا جاتا ہے اور قابل استبدال بھی ہے یعنی اس خدمت کے عوض میں خدمت کرنے والا اپنی معاشی ضرورت کو پورا کرنے والی اشیاء خواہ بصورت جنس خواہ بصورت زر نقد حاصل کرتا ہے اور اجیر مزدور یا نوکر کے ساتھ ساتھ یہ خدمت ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل بھی ہوتی ہے، اس لحاظ سے اس میں نقل پذیری کا وصف بھی موجود ہے، اس خدمت میں عامل "پیدائش" محنت ہے۔

شریعت کی اصطلاح میں بھی جس طرح مال "متقوم" قیمت والی شے ہے، اسی طرح انسان کے "منافع" بھی متقوم (قیمت والی شے ہیں) اور جیسے مال کا تبادلہ مال کے ساتھ بیع و شراء کہلاتا ہے، اسی طرح منافع کا تبادلہ مال کے ساتھ اجارہ کہلاتا ہے۔ [1]

فرق اتنا ہے کہ بیع و شراء میں تو دونوں طرف مال ہوتا ہے جو لیا اور دیا جاتا ہے اور اجارہ میں "منافع" چونکہ بالفعل موجود نہیں ہوتے، بلکہ کام ختم ہونے کے بعد وجود میں آجاتے ہیں، اس لئے اجارہ عقد میں صرف ایک معاہدہ ہوتا ہے جو اجیر اور مستاجر (آجر) کے درمیان کیا جاتا ہے، ہاں انجام (کام ختم ہونے پر) متحقق ہوتا ہے، یعنی جب کام ختم

---

(۱) الاجارة عقد یرد علی المنافع بعوض. الهدایة، کتاب الاجارات ۲۹۵/۳، ط: رحمانیہ کتب خانہ.

ہونے سے پہلے بھی معاوضہ (اجرت) کا مطالبہ نہیں کر سکتا[1] اجارہ کے مفصل احکام کتب فقہ سے معلوم کیجئے[2] لہٰذا جس طرح زراعت، صناعت اور تجارت پیدائش دولت کے طریقے اور کسب معاش کے وسیلے ہیں، اسی طرح مزدوری کرنا یا نوکری کرنا بھی پیدائش دولت کا ایک طریقہ اور کسب معاش کا ایک وسیلہ ہے۔

انسان کی تمدنی زندگی میں اس خدمت کی اتنی اہمیت ہے کہ اس کے بغیر عموماً انسان کسی بھی ذریعہ معاش سے روزی نہیں کما سکتا، مثلاً: ایک خود کاشت کرنے والا زمین کا مالک جس کے پاس کھیتی باڑی اور آب پاشی کے تمام لوازمات موجود ہیں، زمین بھی ہے، بیج بھی، بیل بھی ہیں اور آب پاشی کے لئے کنواں وغیرہ بھی ہے، ضروری آلات کے لئے سرمایہ بھی ہے۔ ان تمام عوامل کے موجود ہونے کے باوجود وہ ہاریوں اور مزدوروں کا محتاج ہے جو کھیتی باڑی کے مختلف دور کرانے کے کاموں میں اس کا ہاتھ بٹائیں، اس لئے کہ وہ تنہا ان تمام کاموں کو انجام نہیں دے سکتا، نہ خوش اسلوبی کے ساتھ پیداآور اور نفع بخش طریقے پر انجام نہیں دے سکتا۔ غرض ایک خود کاشت زمین کا مالک کاشتکاری کی ابتدا سے لے کر آخر تک ہر قدم پر ایسے لوگوں کا محتاج ہے جو اجرت پر اس کے لئے کام کریں۔ دوسری طرف یہ تمام ہاری اور مزدور بھی جو محنت کے علاوہ دوسرے تمام عوامل پیداوار۔ زمین، بیج، بیل، ہل وغیرہ سے محروم ہیں، اپنی روزی حاصل کرنے کے لئے اس زمین دار اور لوازمات زراعت وغیرہ کے مالک کے محتاج ہیں کہ اس کے لئے کام کر کے روزی کمائیں۔

یہی صورت حال تمام مذکورہ بالا وسائل معاش میں کارفرما ہے خواہ صناعت ہو خواہ تجارت، اسی لحاظ سے ہر انسان کسب معاش میں دوسرے انسان کے تعاون کا محتاج ہے اور اسی باہمی احتیاج اور اس پر مبنی تعاون کا نام تمدن یا تمدنی زندگی ہے۔ یہ خالق کائنات کا وہ تکوینی نظام

---

[1] الأجرة لا تجب بالعقد وتستحق بأحد معان ثلاثة: إما بشرط التعجيل أو بالتعجيل من غير شرط أو باستيفاء المعقود عليه. الهداية، باب الأجر متى يستحق، ۳/۲۹۷، ط: مكتبه رحمانيه۔

[2] اجارہ میں ضروری ہے کہ منفعت معلوم ہو، اجرت معلوم ہو [illegible] ہر وہ چیز جو [illegible] بننے کی صلاحیت رکھتی ہے وہ اجارہ میں اجرت بننے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ [illegible] کتاب الاجارہ، ۳/۲۹۳ [illegible]

ہے جس کی جانب آیت کریمہ ذیل میں اشارہ فرمایا ہے:

﴿نحن قسمنا بينهم معيشتهم في الحيوة الدنيا ورفعنا بعضهم فوق بعض درجات ليتخذ بعضهم بعضا سخريا﴾ [الزخرف:۳۲]

ترجمہ: ہم ہی نے دنیا کی زندگی میں ان کی معیشت کو تقسیم کیا ہے اور بعض کے درجے بعض پر بلند کئے ہیں، تاکہ ایک دوسرے سے کام لیں۔

اجارہ پر کام کرنا یعنی نوکری یا مزدوری کرنا خصوصاً بکریاں چرانا تو انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام کی سنت ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے نبوت سے پہلے آٹھ یا دس سال تک حضرت شعیب علیہ السلام کی بکریاں چرائی ہیں جس کا ذکر قرآن کریم میں موجود ہے[1] اسی طرح حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے زمانے کے فرعون مصر کے ہاں محکمہ تقسیم خوراک کے افسر کی حیثیت سے ملازمت کی ہے:

﴿قال اجعلني على خزائن الأرض إني حفيظ عليم﴾

[یوسف:۵۵]

اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بلا معاوضہ بستی والوں کی شکستہ دیوار کی مرمت کر دینے پر حضرت خضر علیہ السلام سے کہا تھا کہ آپ اس مرمت کرنے کی اجرت لے سکتے تھے:

﴿قال لو شئت لتخذت عليه أجرا﴾[2] [الکہف:۷۷]

سرور کائنات ﷺ نے بھی ابتدائی عمر میں چند قیراط (سکوں) کے عوض مکہ والوں کی

[1] ﴿قال إني أريد أن أنكحك إحدى ابنتي هاتين على أن تأجرني ثماني حجج فإن أتممت عشرا فمن عندك﴾ [القصص:۲۷] إن موسى آجر نفسه ثماني سنين أو عشرا على عفة فرجه وطعام بطنه: مشکوۃ المصابیح، کتاب البیوع، باب الاجارۃ، ص ۲۵۸، ط: المیزان

[2] عن النبي ﷺ قال ما بعث الله نبيا إلا رعى الغنم فقال أصحابه: وأنت؟ فقال: نعم كنت أرعاها على قراريط لأهل مكة: بخاری ۱/۳۰۱، کتاب الاجارات، باب رعي الغنم على قراريط، ط: قدیمی کراچی۔

محنت اور صنعت میں مزدور کی محنت خواہ وہ فنی اور فکری ہو، جیسے ایک طبیب کی محنت ومشقت مریض کے مرض کی تشخیص اور اس کے بعد علاج معالجے میں یا ایک وکیل کی محنت ومشقت کسی مقدمہ (کیس) کی پیروی کرنے میں یا ایک معلم کی محنت ومشقت اپنے شاگردوں کی تعلیم اور ذہنی تربیت میں یا سرکاری محکمے کے افسر اور کلرک کی محنت ومشقت مفوضہ خدمات کو بطریق احسن انجام دینے میں بھی ہذا القیاس۔

علماء معاشیات جسمانی مشقت اٹھانے والے تمام محنتوں کو محنت کش یا مزدور کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں اور دماغی محنت کرنے والوں کو ملازمین کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں اور جو اہل حرفہ یا ماہرین فن اپنی فنی مہارت سے ہر ضرورتمند کا کام انجام دیتے اور معاوضہ لیتے ہیں۔ ان کے حرفے یا فن کی نسبت سے الگ الگ ناموں سے یاد کرتے ہیں مثلاً: دھوبی، حجام، موچی وغیرہ، طبیب، وکیل، انجینئر وغیرہ۔

فقہ اسلامی کی اصطلاح میں پہلی قسم کے کام کرنے والوں کو مثلاً: بیاری، مزدور، حمال (بار کش وغیرہ) کو اجیر خاص کہتے ہیں، یعنی ایسا جادو یہ کام کرنے والا جو ایک وقت میں ایک ہی مستاجر (یعنی آجر) کا کام کرتا ہے خواہ روزمداری پر ہو خواہ ہفتہ واری، خواہ ماہانہ، اور دوسری قسم کے کام کرنے والوں کو اجیر مشترک یا اجیر عام کہتے ہیں، جیسے اہل حرفہ میں دھوبی، موچی وغیرہ اور اہل فن میں طبیب، وکیل وغیرہ۔

فقہی احکام: چونکہ اسلامی تعلیمات کی رو سے اصلی مقصد حلال روزی کمانا ہے، اس لئے فقہ اسلامی کی رو سے تمام عقود اور معاملات میں ایسی جہالت (ترک تعیین) جو نزاع کا موجب ہو سکے عقد کو فاسد اور ناجائز بنا دیتی ہے خصوصاً اجارہ کہ اس میں منافع کا تبادلہ مال سے ہوتا ہے اور منافع کوئی ایسی مادی چیز نہیں ہیں جو اجارہ کے وقت موجود ہو سکیں وہ تو جوں جوں اجیر کام کرے گا حاصل ہوں گی اور کام پورا ہو جانے کے بعد متعین ہوں گی مگر قطع نزاع کی غرض سے بہرحال ان کی تعیین وتشخیص ضروری ہے اسلئے فقہ اسلامی نے اجیر خاص کی صورت میں منافع کی تعیین کا ذریعہ وقت اور عمل کو قرار دیا ہے مثلاً بیاری یا مزدور روزانہ آٹھ گھنٹے فلاں ایک یا چند

متعارف کام کرے گا اور یہی اجرت لے گا۔ اس وقت میں نہ وہ کسی دوسرے کا یا اپنی ذات کا کوئی
کام کرسکتا ہے نہ ہی بیکار ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ سکتا ہے۔ اس کے برعکس اجیر مشترک کے منافع کی
تحدید "عمل" اور کام سے ہوتی ہے خواہ اس میں کتنا ہی وقت صرف ہو۔ اور اجرت بھی اسی عمل اور کام
کی ہوتی ہے۔ اجیر مشترک ایک ساتھ کئی مستاجروں (آجروں) کے کام بھی کرتا ہے،
ہاں اگر کام ایسا ہو کہ اس کی مدت مقرر کی جاسکتی ہو تو اسی مدت میں کام کر دینا ضروری ہوگا۔

بہ صورت اجارہ کے شرعاً صحیح اور جائز ہونے کے لئے عقد (یعنی معاہدہ) کے وقت
منافع اور اجرت دونوں کی ایسی تحدید و تعیین ضروری ہے کہ حتی الامکان کوئی جھگڑے کی صورت نہ
پیدا ہو ورنہ اجارہ فاسد ہوگا۔

بہرحال علم معاشیات کے نقطہ نظر سے خدمت یعنی مزدوری یا نوکری کسب معاش کا
سب سے زیادہ وسیع اور ہمہ گیر (دنیا کی ۹۰ فیصد آبادی مزدوری پیشہ اور نوکری پیشہ ہے) ذریعہ اور
پیدائش دولت کا طریقہ ہے اور اس ذریعہ معاش میں اصلی عامل پیدائش دولت انسان کی محنت
ومشقت ہے، خواہ جسمانی مشقت ہو خواہ دماغی محنت اور ان دونوں کا مدار جسمانی قوت
(توانائی) پر ہے۔ تجربہ بھی شاہد ہے اور ماہرین طب کا بھی فیصلہ ہے کہ جس قدر جسمانی صحت
وقوت بہتر ہوتی ہے اسی قدر دماغی توانائی اور عقل و فکر کی رسائی بھی بہتر ہوتی ہے۔

لہٰذا جو انسان جس قدر مشقت اٹھانے اور محنت کرنے کی اہلیت وصلاحیت زیادہ رکھتا
ہوگا اسی قدر اس کی محنت ـ علم معاشیات کے مطابق ـ زیادہ پیداآور ہوگی اور وہ اس ذریعہ معاش سے
زیادہ سے زیادہ منفعتی استفادہ کرسکے گا اور جس قدر یہ اہلیت وصلاحیت کم ہوگی اسی قدر اس کی محنت
کم پیداآور یا غیر پیداآور ہوگی ـ اسی لئے علماء معاشیات نے محنت (مزدور کی محنت) یہ محنت اس محنت سے
مختلف ہے جو زراعت، صنعت اور تجارت کا ایک عامل پیداوار ہے، وہ محنت اپنی ذات کے فائدہ
کے لئے ہوتی ہے اور یہ محنت دوسرے کے لئے، سادہ لفظوں میں اس محنت میں محنت کش اپنے لئے
کام کرتا ہے اور اس محنت میں دوسرے کے لئے کام کرتا ہے، یہ صرف اجرت یا تنخواہ کے لئے کام کرتا
ہے، کام کے منافع سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہوتا) کی تین قسمیں تین طرح بیان کی ہیں: ایک جسمانی

ضرورت ہی باقی نہیں رہتی۔

سرمایہ دار ممالک کے معاشیین نے سرمایہ دار حکومتوں کے بڑے بڑے زمینداروں اور جاگیرداروں کے بڑی بڑی فیکٹریوں اور تجارتی کمپنیوں اور بینکاروں کے سرمایہ دارانہ مفادات کے تحفظ یعنی ملک کے معاشی استحصال کے لئے اشیاء کی قیمتیں اور محنت کی اجرتیں من مانے طریق پر گھٹانے بڑھانے کے جواز کے لئے "طلب و رسد" کے قانون کا ایک پیچ در پیچ گورکھ دھندا بنایا اور چکر چلایا ہے کہ سرمایہ دار طلب و رسد کے گھٹنے بڑھنے کے نام سے جب چاہیں اور جیسے چاہیں معاشی اشیاء کی قیمتیں بڑھا دیں اور محنت کشوں کی اجرتیں گھٹا دیں اور حکومتیں ٹیکس وصول کرنے کے لئے جتنی چاہیں قیمتیں اور اجرتیں لگائیں تاہم قانون رسد و طلب کا عام فہم خلاصہ حسب ذیل ہے:

محنت کی رسد و طلب کے معنی اور قانون رسد و طلب کا خلاصہ

محنت کے سلسلہ میں رسد سے مراد محنت کشوں، کسانوں، کاریگروں اور مزدوروں کی وہ تعداد ہے جو مزروعہ زمینوں، کارخانوں، ملوں اور فیکٹریوں میں کام کرنے کے لئے درکار ہو۔ طلب سے مراد زرعی یا صنعتی پیداوار کی وہ مقدار ہے جس کی ملک میں مانگ ہے۔ مثلاً: ملک میں مختلف قسم کے ایک کروڑ تھانوں کی مانگ ہے اور کھپت ہے جس کے تیار کرنے کے لئے دس ہزار کاریگروں اور مزدوروں کی ضرورت پڑتی ہے جو ٹیکسٹائل ملوں میں موجود ہیں تو اس کے معنی یہ ہیں کہ رسد و طلب برابر ہیں۔ اس صورت میں مصارف پیداوار یعنی خام پیداوار یعنی روئی وغیرہ اور اس کے تمام اخراجات مشینری کی فرسودگی کی قیمت، مصارف تنظیم یعنی منافع، حکومت کا ٹیکس، بینکوں کے سود، بیمہ پالیسی وغیرہ نکال کر باقی آمدنی میں سے محنت کشوں کو حسب اجرت، محنت کی قیمت کے طور پر دی جائے گی۔ واضح ہو کہ اس مناسب اجرت کی تعیین سے یہ معاشیین بالکل خاموش بلکہ عاجز ہیں۔ لیکن اگر محنت کشوں کی تعداد اس سے زیادہ ہو جتنی ملوں اور فیکٹریوں کو ضرورت ہے اور طلب

بحالہ قائم ہو تو محنت کشوں کی ہڑتالوں کی وجہ سے محنت کی رسد طلب سے بڑھ جائے گی اور اس کے نتیجے میں محنت کا نرخ گر جائے گا اور اجرتیں کم ہو جائیں گی اور اگر کپڑے کی طلب بڑھ جائے ایک کروڑ کے بجائے سوا کروڑ تھانوں کی ملک میں کھپت ہو اور رسد بحالہ قائم رہے تو اس طلب کو پورا کرنے کے لئے محنت کشوں کی کمیابی یا نایابی کی وجہ سے محنت کا نرخ بڑھ جائے گا اور اجرتیں زیادہ ہو جائیں گی۔

یہ نہ سمجھئے کہ قانون رسد و طلب اتنی ہی آسان اور سادہ سی چیز ہے بلکہ اس پر اثر انداز ہونے والے سرمایہ دارانہ معاشیات کے دوسرے قوانین مثلاً تقلیل حاصل و تکثیر حاصل، افادۂ کلی و افادۂ مختتم اور محنت و اجرت کی کونا گوں قسمیں، اشیاء صرف کی گرانی و ارزانی کی بحثوں نے اس قانون کو ایسا گورکھ دھندا بنا دیا ہے کہ اس قانون کے ذریعے اشیاء کی قیمتیں متعین کی جا سکتی ہیں نہ محنت کی اجرتیں حکومت کے ٹیکس جین (ٹیکس تشخیص کرنے والے) اور سرمایہ دار جیسی چاہیں قیمتیں اور اجرتیں نکالیں۔

اسلام کا معاشی نظام اور اسلامی معاشیات ان تمام لعنتوں اور انسانیت کش اغراض سے پاک ہے اور سراسر انسانی زندگی کی فلاح و بہبود پر مبنی ہے۔ اس لئے اس کا اساسی قانون عدل و مساوات اور ادائے امانات پر مبنی ہے وہ ہر معاشی نزاع، کشمکش اور فساد کو اسی اصول پر رفع کرتا ہے خالق کائنات کا حکم ہے:

﴿إن الله يأمركم أن تؤدوا الأمانات إلى أهلها و إذا حكمتم بين الناس أن تحكموا بالعدل﴾ [النساء:۵۸]

ترجمہ: "بیشک اللہ تم کو حکم دیتا ہے کہ امانت والوں کو ان کی امانتیں ادا کرو اور جب تم لوگوں کے فیصلہ کرو تو عدل و انصاف سے فیصلہ کرو"۔

اس لئے مناسب یہ ہے کہ اولین زمینداروں اور کاشتکاروں اور کارخانہ دار و مزدور کے درمیان کشاکش اور نزاع کا جائزہ لیا جانے اور اس کے بعد قرآن حکیم کے بتلائے ہوئے اصول کے مطابق نزاع اور کشمکش کو رفع کیا جائے۔

واقعات و نتیجے سے ثابت ہوتا ہے کہ اجیر اور آجر کے اس نازک ترین معاشی تعلق میں فساد

جیسے خود پہنے اسے بھی پہنائے اور جو کام ان کے لئے بھاری ہوں ان پر مجبور نہ کرو اور اگر وہ کام ان سے لیتے ہو تو ان کی مدد کرو۔

محنت کشوں کو ان کے گذارہ سے کے قابل اجرت دے دینے سے ابتداءً تو ہوگا کہ آجر کا کاروباری منافع اس کے تخمینہ سے کچھ کم ہو جائے گا لیکن انسانیت کی اس عظیم خدمت اور خلق خدا کی اس حاجت روائی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اس تھوڑے منافع میں اس سے بدرجہا زیادہ برکت عطا فرمائیں گے جتنا آجر نے ایثار کیا ہے نبی رحمت ﷺ کا ارشاد ہے:

"الخلق عیال اللہ فأحب الخلق إلی اللہ من أحسن إلی عیالہ" ؎۱

ترجمہ:۔ مخلوق خدا کی عیال ہے اس لئے اللہ کو سب سے زیادہ محبوب وہ شخص ہے جو اس کی عیال سے اچھا سلوک کرے۔

اور اگر مصارف کاروبار میں اضافۂ اجرت کی مطلق گنجائش نہ ہو تو کاروبار کے لیکوئڈ ہونے کی بناء پر حصے تو بہر حال اسے بیچنے ہی ہیں اور کاروبار میں اپنے علاوہ دوسروں کو شریک کرنا ہی ہے تو پھر ان محنت کشوں کے ہاتھ حصے فروخت کرنے اور ان کو شریک بنا لینے میں کیا قباحت ہے جن کی محنتوں سے کاروبار چل رہا ہے اور سالانہ بونس مزدوروں کو بہر حال دینا ہی ہے تو نقد بونس دینے کے بجائے حصے خرید کر دے دینے میں کیا حرج ہے تاکہ ان بھوکے حاجتمندوں کے ذرائع آمدنی دو ہو جائیں، ایک محنت کی اجرت دوسرے کاروبار کا حصہ رسد منافع ان سے بڑھ کر اور کون لوگ حسن سلوک کے مستحق ہو سکتے ہیں۔

شرعی اعتبار سے نہ بیع وشراء خرید وفروخت میں کسی چیز کی قیمت متعین کی جا سکتی ہے اور نہ کسی "کام" کی اجرت متعین کی جا سکتی ہے، بلکہ کسی بھی چیز کی قیمت جسے فقہی اصطلاح میں ثمن کہتے ہیں وہی ہوتی ہے جو فروخت کنندہ اور خریدار باہمی رضامندی سے قبول کر لیں، اسی طرح کسی "کام" یا "وقت" کی اجرت وہی ہوتی ہے جو آجر اور اجیر باہمی رضامندی سے طے کر لیں۔

؎۱ رواہ البیہقی فی شعب الایمان بحوالہ مشکوٰۃ ص: ۴۲۵ باب الشفقة والرحمة علی الخلق مطبوعہ قدیمی کراچی

چنانچہ ایک مرتبہ قحط سالی کی وجہ سے گرانی بہت بڑھ گئی تو صحابہ نے رسول اللہ ﷺ سے نرخ مقرر کر دینے کی درخواست کی، اس پر نبی رحمت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"إنّ الله هو المسعر القابض الباسط الرازق و إني لأرجو ان ألقى ربي وليس أحد منكم يطلبني بمظلمة بدم و لا مال"[1]

ترجمہ: بیشک اللہ ہی ہے نرخ مقرر کرنے والا، گراں کرنے والا، ارزاں کرنے والا، روزی دینے والا اور میں تو یہ چاہتا ہوں کہ میں اپنے رب سے اس طرح ملوں کہ تم میں سے کسی کا بھی کوئی جان و مال کا مطالبہ مجھ پر نہ ہو۔

حدیث پاک کے آخری فقرہ کا مطلب یہی ہے کہ اگر میں نے کسی چیز کا نرخ مقرر کر دیا اور وہ نرخ فروشندہ یا خریدار کسی کے لئے بھی ناقابل برداشت ہوا، اسی طرح آجر یا اجیر کسی کے لئے بھی مالی اعتبار سے مضرت رساں ہوا تو اس مظلمت حق تلفی کا ذمہ دار بلاوجہ میں بنوں گا اور ایسا کوئی معیار موجود نہیں جس سے یہ معلوم کیا جا سکے کہ فلاں چیز کا اتنا نرخ یا فلاں کام کی اتنی اجرت اتنی مقدار ہے جس میں فریقین میں سے کسی کے ساتھ بھی کوئی ناانصافی یا حق تلفی نہ ہوگی علاوہ ازیں اگرچہ کسی چیز کی گراں قیمت یا کسی کام کی گراں اجرت کو بظاہر خریدار یا آجر کے حق میں نقصان دہ تصور کیا جاتا ہو لیکن ہو سکتا ہے کہ اس کی احتیاج کے پیش نظر یہ گراں قیمت یا اجرت بھی باعث صد منفعت ہو اتنی یہ ارزانی کو ترجیح کر لیجئے۔

امام جلال الدین سیوطی نے مفتاح الجنۃ میں امام بیہقی کے حوالے سے مذکورہ بالا حدیث کے آخری فقرہ کے بجائے حسب ذیل فقرہ روایت کیا ہے:

"لا يسئلني الله عن سنة أحدثتها فيكم لم يأمرني بها ولكن اسئلوا الله من فضله"[2]

---

[1] رواہ ابن ماجه والدارمي بحوالہ مشکوۃ ص: ۲۵۱، ترمذی: ۱/۱۵۷، ابواب البیوع، ط: میر محمد کتب خانہ کراچی۔

[2] مفتاح الجنۃ للسیوطی، ص: ۱۰ ط: ادارۃ الطباعۃ المنیریہ بمصر۔

ترجمہ: "اللہ تعالیٰ سے کسی ایسی سنت (طریقہ) کے متعلق باز پرس نہ کرے جو میں تمہارے درمیان جاری کروں جو اللہ نے مجھے اس (کے جاری کرنے) کا حکم دیا نہ ہو بلکہ تم اللہ سے اس کا فضل (فراوانی)، مانگو (وہ ضرور دے گا)

اس سے معلوم ہوا کہ نرخوں کا تعین اور مقرر کرنا سنت الٰہیہ کے خلاف ہے اسی لئے دوسری حدیث میں نبی رحمت ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

"دعوا الناس یرزق اللہ بعضهم من بعض"[۱]

ترجمہ: تم لوگوں کو ان کے حال پر چھوڑ دو (لین دین کرنے دو) اللہ ایک کو دوسرے کے ذریعہ روزی دیتا ہے"۔

باقی اسلامی معاشین یعنی فقہاء اسلام نے جو بیع وشراء کے ذیل میں قیمت مثل یا بازاری قیمت کا اور اجارہ کے ذیل میں اجرت مثل یا بازاری اجرت کا ذکر کیا ہے تو وہ تو صرف بائع ومشتری فروخت کنندہ اور خریدار اور آجر واجیر کے اختلاف کی صورت میں ان کے تنازعات کا فیصلہ کرنے کا ایک طریق کار یا ذریعہ ہے ورنہ وہ تصریح کرتے ہیں کہ بیع وشراء میں اصل قیمت ثمن وہ ہے جس کو فریقین باہمی رضامندی سے قبول کریں اور اجارہ میں اصل اجرت وہ ہے جو فریقین باہمی رضامندی سے طے کریں۔

اسی طرح فقہاء اسلام نے تاجروں کے عام ضروریات زندگی کی ذخیرہ اندوزی کرنے کی وجہ سے پیدا شدہ مصنوعی گرانی کو ختم کرنے کی غرض سے اسلامی حکومت کو نرخ مقرر کر دینے کا جو اختیار دیا ہے اس کا تعلق بھی اسلامی حکومت کے ان استثنائی اختیارات سے ہے جو مصالح عامہ کے تحت معاشی بحران ختم کرنے کی غرض سے اسلامی حکومت کو ہنگامی طور پر حاصل ہوتے ہیں بشرطیکہ حکومت واقعی اسلامی ہو ملک میں اسلامی قانون بشمول حدود وتعزیرات وفصل خصومات نافذ ہو۔

چنانچہ اگر ایسی اسلامی حکومت آجر واجیر کی عام کشمکش اور حقوق ومراعات نیز اجرتوں

---

[۱] ترمذی: ۱/۲۳۲ ابواب البیوع باب ما جاء لا یبیع حاضر لباد۔ ط: سعید کراچی

کے خرابات کی وجہ سے پیدا شدہ معاشی بحران کو ختم کرنے کے لئے عدل و انصاف پر مبنی اجرتوں اور تنخواہوں کی مقدار متعین کر دے تو شرعاً درست ہے۔

نوٹ: ملک میں رائج کتب معاشیات کے مصنفین و مؤلفین نے جن کا تعلق سرمایہ دارانہ نظام کے بلاک سے ہے قیمتوں اور اجرتوں کے متعین کرنے کی بے سود کوششیں صرف اس لئے کی ہیں کہ سرمایہ دار حکومتیں من مانے طریقے پر کارخانوں کی پیداوار پر ٹیکس اور زمین کی پیداوار پر لگان لگانے کے لئے قبل از وقت کاروبار کے آمد و خرچ کے تخمینے لگانے پر مجبور ہیں اسی طرح سودی کاروبار کرنے والے بینک مقدار سودی قسطوں کی غرض سے کاروبار کے مصارف کے تخمینے لگانے پر مجبور ہیں اور ان تخمینوں میں اشیاء کی قیمت اور محنت کی اجرت کی مقداریں مقرر کرنا لابدی اور ناگزیر ہوتا ہے ورنہ درحقیقت یہ معاشیین خود تسلیم کرتے ہیں کہ عملی طور پر قیمت اور اجرت کی مقدار اس کے سوا نہیں جو فریقین کے درمیان طے ہو جائے۔ ہاں قیمتیں اور اجرتیں حسب منشا گھٹانے اور بڑھانے کی غرض سے رسد و طلب کی پیچ در پیچ اور طولانی بحثیں ضرور مفید بلکہ ناگزیر ہیں۔

اسلامی تعلیمات نہ تاجروں اور محنت کشوں کے اس ظالمانہ استحصال کو گوارا کرتی ہیں اور نہ اسلامی معاشیات میں یہ بحثیں درخور اعتنا ہو سکتی ہیں پیغمبر اسلام نبی رحمت ﷺ کا ارشاد گرامی:

"دعوا الناس یرزق اللہ بعضھم من بعض" [۱]

ترجمہ: تم لوگوں کو (ان کے حال پر) چھوڑ دو خدا کسی کو کسی کے ذریعہ روزی پہنچاتا ہے۔

کتنا حقیقت پر مبنی اور آب زر سے لکھنے کے لائق ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

---

[۱] (ترمذی: ۱/۲۳۳، ابواب البیوع باب ماجاء لا یبیع حاضر لباد، ط: سعید کراچی

سودی کاروبار کرنے والوں کو خدا اور اس کے رسول کی جانب سے الٹی میٹم (اعلان جنگ) ہے کہ خالق کائنات کا اعلان ہے:

﴿فان لم تفعلوا فأذنوا بحرب من الله ورسوله﴾ [البقرۃ: ۲۷۹]

ترجمہ: اگر تم (سودی لین دین ترک) نہیں کرتے تو اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کرنے کے لئے تیار ہو جاؤ۔

یہ انتقام الٰہی اور قہر خداوندی ہر اس ملک میں جہاں سود کا لین دین اور سودی کاروبار کھلے عام جاری ہوتا ہے خونریز سیاسی انقلاب اور ملک و قوم کی تباہی کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے وہ ملک و قومیں ہمارے سامنے ہیں جہاں اس قسم کے خونریز معاشی انقلابات آچکے ہیں آرہے ہیں اور آنے والے ہیں۔

سود کی تباہ کن مضرت خالص معاشی نقطہ نظر سے

لیکن اگر خالص معاشیاتی نقطہ نظر سے دیکھا جائے تب بھی سودی کاروبار کا فروغ اور بینکنگ سسٹم کا تسلط کسی بھی ملک اور قوم کی معاشیات کے لیے سخت مضر اور تباہ کن ہے اس لئے کہ ملک کے معاشی نظام کو درہم برہم اور تباہ کر دینے والا جو نقصان اس سے پہنچتا ہے اور وہی درحقیقت قہر خداوندی اور انتقام الٰہی ہے وہ یہ ہے کہ معاشیات کی اصطلاح کے مطابق "پیدائش دولت" کا سب سے بڑا ذریعہ اور اہم عامل پیدائش دولت "محنت" ہے یعنی ذاتی کمانے کا وہ ذریعہ جو کسب معاش کے ہر شعبہ میں (زراعت ہو یا صنعت یا تجارت) بنیادی طور پر کارفرما ہے اور جس کے بغیر انسان قدرتی نظام کے تحت روزی کما ہی نہیں سکتا اور انسان کی جسمانی اور دماغی محنت و مشقت اور زیادہ سے زیادہ فراخ روزی کمانے کی غرض سے زیادہ سے زیادہ جد و جہد اور کوشش ہے حق کائنات کا بھی ارشاد ہے

﴿وأن ليس للإنسان إلا ما سعى وأن سعيه سوف يرى ثم يجزاه الجزاء الأوفى﴾ [النجم: ۳۹ تا ۴۱]

ترجمہ: اور یہ کہ انسان کو وہی ملتا ہے جس کی وہ کوشش (اور جد و جہد) کرتا ہے

اور یہ کہ اس کی جدوجہد ضرور دیکھی جائے گی پھر اس کو (اس کے مطابق) پوری پوری جزا دی جائے گی"۔

نیز انسان کی اپنی اور اپنی اولاد کی ضروریات پوری کرنے کی غرض سے مشقت کشی اور محنت کوشی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے "باپ اور اس کی اولاد" کی قسم کے بعد ارشاد ہے:

﴿لقد خلقنا الانسان فی کبد﴾ [البلد: ۴]

ترجمہ: بیشک ہم نے انسان کو مشقت (کشی) میں پیدا کیا ہے۔[1]

لیکن کسب معاش کے ہر شعبہ میں سودی کاروبار کا فروغ اور بینکاری نظام کا تسلط ایک طرف انسان کے اس محنت و مشقت کے قدرتی معاشی عامل اور فطری جذبے کو رفتہ رفتہ مفلوج کر دیتا ہے اور کاروباری طبقوں کو مفت خوری اور حرام خوری کا عادی بنا دیتا ہے دوسری طرف ہوس زر اندوزی اور منافع اندوزی مال و دولت بینکوں کے ذریعہ دوسروں کی کمائی کے استعمال پر مجبور کر دیتی ہے نتیجہ یہ ہوتا ہے وہ (مثلاً) ذرہ برابر محنت کئے اور مشقت اٹھائے بغیر اور اپنی کمائی کا ایک پیسہ لگائے بغیر کچھ (رشوت) یا اثر و رسوخ کے ذریعہ اول حکومت سے فیکٹری یا مل قائم کرنے کا لائسنس حاصل کر لیتے ہیں اور پھر حکومت سے ہی دوسرے ملکوں سے سودی قرض پر درآمد شدہ مشینری سود پر ادھار خرید لیتے ہیں اور کسی بینک سے ابتدائی مصارف کے لئے سرمایہ سود پر ادھار لے لیتے ہیں اور اپنا ایک پیسہ لگائے بغیر فیکٹری یا مل قائم کر لیتے ہیں اور مل اونر (مل مالک) بن جاتے ہیں پھر فیکٹری یا مل میں تیار شدہ مال کے کارخانے سے باہر نکلنے سے پہلے ہی خود اپنے یا اپنے کسی عزیز کے نام سے تمام تیار مال خرید لیتے ہیں اور اس تمام مال کو کسی بینک میں رہن رکھ دیتے ہیں اور اس پر بینک سے نقد روپیہ سود پر قرض لے کر حکومت کا سود اور پہلے بینک کا اصل سرمایہ مع سود ادا کر دیتے ہیں اور اس کے بعد اس تیار مال کی قیمت بلیک مارکیٹ میں پہنچتی ہے اور سٹہ بازی کی بدولت قیمت کہیں سے کہیں پہنچتی ہے اور جتنا جتنا مال فروخت ہوتا رہتا ہے بینک کو قرضہ ادا کرتے

[1] انسان کی یہ مشقت کشی کا سلسلہ ماں کے پیٹ سے باہر آنے کی جدوجہد اور حرکت سے شروع ہوتا ہے اور دنیوی زندگی کے آخری لمحات تک زندگی اور موت کی کشمکش کی صورت میں جاری رہتا ہے۔

اور مال اڑاتے اور فریب اوروں کو دیتے رہتے ہیں بقول اردو محاورت: "نہ ہلدی لگی نہ پھٹکری اور رنگ بھی چوکھا"

غرض ذرہ برابر محنت کے مشقت اٹھائے بغیر، وہ ایک پیسہ اپنی جان کا اٹھائے بغیر اسی سودی سرمایہ کی الٹ پھیر میں ہزاروں لاکھوں کے وارے نیارے ہو جاتے ہیں لیکن اس سودی کاروبار کے ہر مرحلہ میں بینک کا تسلط قائم ہو جس کی سرمایہ کاری جاری رہتی ہے اور اس کاروبار کے منافع کا بڑا حصہ ہر مرحلہ پر سود کے عنوان سے بینکوں میں ستقار رہتا ہے بسا اوقات ان لکھ پتی کروڑ پتی لوگوں کے پاس بینک کی کتاب (کیش بک) کے علاوہ نقد ایک پیسہ بھی نہیں رہتا اور بسا اوقات ان کے جاری کئے ہوئے چیک بیلنس موجود نہ ہونے کی وجہ سے کیش نہیں ہوتے بالفاظ دیگر مالدار ترین انسان کہلانے کے باوجود محتاج ترین انسان ہوتے ہیں یہ نتیجہ ہے اس معاشی لعنت یعنی سودی کاروبار اور بینکاری سسٹم کے ملک کے کاروبار پر تسلط کا۔

غرض اس سودی کاروبار کے فروغ اور بینکنگ سسٹم کے ملک کے کاروبار پر تسلط کی وجہ سے سب معاش کے فطری تقاضے کے تحت محنت و مشقت اور معاشی جد و جہد کے فطری جذبہ سے سوچنے والے ماہرین صنعت و تجارت بھی کلی طور پر محروم اور مفت خوری و حرام خوری کے عادی ہو جاتے ہیں اس سے بڑھ کر ملک اور قوم کا معاشی نقصان اور کیا ہوگا۔ [1]

چنانچہ امام رازی حرمت سود کے عقلی دلائل کے ذیل میں سود اور سودی کاروبار کے فروغ اور تسلط کی اسی مذکورہ مضرت اور تباہ کاری کا ذکر فرماتے ہیں وہ لکھتے ہیں:

"دوسری عقلی دلیل: بعض علماء کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے سود کو صرف اس وجہ سے حرام کیا ہے کہ یہ سود لوگوں کو روزی کمانے کے (جائز اور فطری) ذرائع میں مشغول ہونے سے روک دیتا ہے اس لئے کہ جب (مثلاً) ایک درہم کے مالک کو سودی لین دین کے ذریعہ (بے محنت و مشقت) دو درہم نقد یا ادھار

---

[1] ﴿الذین یأکلون الربوا لا یقومون الا کما یقوم الذی یتخبطه الشیطن من المس﴾ [البقرہ: ۲۷۵] کے ضمن میں امام رازی نے حرمت سود کے عقلی دلائل بیان کئے ہیں۔

حاصل کر لینے کی قدرت میسر آجاتی ہے تو فطری ذرائع معاش سے روزی کمانے کی اس کی نظر میں کوئی وقعت باقی نہیں رہتی پھر وہ روزی کمانے کی مشقت اٹھانے کی تجارت یا محنت طلب دشوار صنعت و حرفت اختیار کرنے کی دردسری مول لینے اور مشقت اٹھانے کے پاس بھی نہیں پھٹکتا اور اس فرار و گریز کے نتیجے میں مخلوق کا معاشی نظام درہم برہم ہو جاتا ہے اس لئے کہ معاشی اور تمدنی زندگی کا نظام تو زراعت و تجارت، صنعت و حرفت (جیسے محنت طلب کاموں) اور معاشی تعمیر و ترقی (کے فروغ) سے ہی وابستہ ہے۔ [1]

ظاہر ہے کہ جب ایک کے دو، سو کے دو سو اور ہزار کے دو ہزار تو دراصل سودی الٹ پھیر اور کاروباری سٹہ کے ذریعہ گھر بیٹھے صرف ٹیلی فون پر سودے کرنے سے ہی میسر آنے لگیں گے اور ہزاروں لاکھوں کے وارے نیارے چیکوں کے ذریعہ منٹوں میں ہونے لگیں گے تو پھر کون تجارتی نفع نقصان کے خطرے اور دردسری کو مول لیتا ہے۔

مذہب تو دنیا کا کوئی بھی ہو سماوی یا غیر سماوی ایسا نہیں جو سود کو حرام اور سود خوار مہاجنوں اور ساہوکاروں کو انسانیت کا سب سے بڑا دشمن نہ کہتا ہو حکماء بھی فیثاغورث سے لے کر ارسطو تک اور افلاطون سے لے کر آج تک ملک اور قوم کی معاشی تباہی کا واحد ذمہ دار سود اور سودی کاروبار کے فروغ اور تسلط کو ہی قرار دیتے چلے آئے ہیں عوام بھی ہر ملک اور ہر معاشرہ میں اپنی خوشحالی کا سب سے بڑا دشمن اور ذلیل و خوار انسان سود خوار مہاجنوں اور ساہوکاروں کو ہی سمجھتے ہیں اور انتقام کی تاک میں لگے رہتے ہیں موقع پاتے ہی یہ کہہ کر ان کے مال و دولت کو لوٹ لیتے ہیں اور ان کو موت کے گھاٹ اتار دیتے ہیں کہ "یہ ہمارے خون پسینے کی کمائی تو ہے جس پر یہ کروڑپتی اور سیٹھ ساہوکار خزانہ کا سانپ بنے بیٹھے ہیں ان کو مروا ڈالنا سب سے بڑا کار ثواب ہے۔

اگرچہ آج کل ان ڈاکوؤں و لٹیروں نے بیرونی ملکوں خصوصاً سوئٹزرلینڈ کے بینکوں کی تجوریوں کو اپنا خزانہ بنا رکھا ہے مگر انقلابی حکومتیں بھی جب تک ایک ایک پیسہ نہیں اگلوا لیتیں

---

[1] تفسیر کبیر [illegible] مکتبہ [illegible] لاہور۔

اس وقت تک نہیں پہنچا تھا۔

بہرحال ہم چونکہ خالص معاشیاتی نقطۂ نظر سے بحث کر رہے ہیں اس لئے سود اور سودی کاروبار کی قومی مضرت و مذمت کے سلسلے میں اسلامی تعلیمات، علماء ادیان و مذاہب اور معلمین اخلاق کے اقوال و آراء نقل کرنے کے بجائے مشہور فرانسیسی پروفیسر لوئی ماسینیون کے فیصلہ کن فقرہ پر اس بیان کو ختم کرتے ہیں اور اسلام نے جو سودی کاروبار اور بینکاری سسٹم کا متبادل اور معاشی ترقی و خوشحالی کا مکمل نظام پیش کیا ہے اسے بیان کرنا چاہتے ہیں۔

لوئی ماسینیون کہتا ہے:

> "سرمایہ داری اور اشتراکیت کے تصادم میں اسی تمدن اور تہذیب کا مستقبل محفوظ اور درخشاں رہے گا جو سود کو ناجائز قرار دیتی ہو اور اس پر عمل بھی کرتی ہو۔"

بینکاری نظام کے متبادل معاشی ترقی اور خوشحالی کا ضامن تجارتی نظام

اسلامی معاشیات اور قرآن و حدیث کی تعلیمات کی روشنی میں ملک کو سودی کاروبار اور بینکاری کی لعنت سے تدریجی طور پر پاک کیا جا سکتا ہے اور اس کے متبادل ایسا کاروباری نظام جو ملک کی کاروباری ترقی اور معاشی خوشحالی کی راہ میں حائل ۔۔۔ بھی نہ ہو اور ملک کی نوے فیصد آبادی کو فقر و افلاس سے بچنے کا کفیل بھی ہو تو بہت آسانی سے لایا جا سکتا ہے۔

اس میں شک نہیں کہ ابتداءً اس تبدیلی میں دشواریاں پیش آئیں گی جن کا وہ مٹھی بھر سرمایہ دار طبقہ جن کے منہ سود کا لقمۂ حرام لگ چکا ہے اور وہ بغیر محنت کئے روزی کمانے کی اہلیت کھو چکے ہیں تو تمام بہانے بنائیں گے اور مخالفت میں ایڑی چوٹی کا زور لگائیں گے لیکن اگر اسلامی حکومت اور ملک کا دیندار کاروباری طبقہ جن کی اکثریت کے دل میں خدا کا خوف اور آخرت کا ڈر موجود ہے ملک کو سودی لین دین اور بینکاری کی لعنت سے پاک کرنے کا پختہ عزم

میں اور مارشل لاء حکومت برق رفتاری کے ساتھ مارشل لاء قوانین کے ذریعہ اس تبدیلی کو نافذ کرے تو ہمیں یقین ہے کہ بہت جلد ملک اور قوم غیر خدادادی اور استحکام کی یعنی ملک گیر معاشی بحران سے بھی محفوظ ہو جائے گی اور معاشی ترقی کی رفتار پر بھی مطلق اثر نہیں پڑے گا ورنہ تو وہ سرمایہ دار طبقہ جو قوم خداداد ی سے بچنا چاہتا ہے وہ بطور خود اس متبادل طریقہ کار کو اختیار کر کے ملک کو سودی کاروبار سے پاک کر سکے گا مگر ظاہر ہے کہ اس کی رفتار بہت سست ہوگی جیسا کہ ہم عرض کر چکے ہیں۔

اس تبدیلی کی صورت یہ ہے کہ فی الحال ہر بینک کے لین دین اور کاروبار کے دو شعبے ہوتے ہیں ایک کا تعلق اندرون ملک کے لین دین اور کاروبار سے ہوتا ہے اور دوسرے شعبہ کا تعلق بیرون ملک کے لین دین اور دوسرے ملکوں کے کاروبار سے ہوتا ہے ظاہر ہے کہ بیرونی ممالک کا تمام لین دین اور کاروبار حکومت کی اجازت اور وساطت سے ہوتا ہے اس لئے حکومتی بینک اسٹیٹ بینک کے علاوہ باقی ملک کے تمام بینکوں سے بیرونی لین دین اور کاروبار کا شعبہ حکومت بالکل ختم کر دے اور اس شعبہ کے لئے اسٹیٹ بینک کو مخصوص کر دے تاکہ بیرونی ممالک کا تمام کاروبار اور لین دین حکومت کی نگرانی میں ہو اس صورت میں زرمبادلہ کی سمگلنگ بھی بڑی حد تک کم ہو جائیں گی۔ یہ لکھنے کے بعد ہمیں معلوم ہوا ہے کہ اس وقت یہی صورت حال قائم ہے کہ بیرونی ممالک سے تمام لین دین اور تجارت اسٹیٹ بینک کے ذریعہ ہی ہو رہی ہے۔

اس کے بعد حکومت ملک کے تمام بینکوں کو مارشل لاء قانون (آرڈیننس) کے ذریعہ مضاربت کے طور پر مشترکہ سرمایہ سے چلنے والی کمپنیوں میں تبدیل کر دے۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ اسلامی شریعت جس طرح انفرادی طور پر تجارتی کاروبار کرنے کو جائز اور حلال قرار دیتی ہے اسی طرح بطور مضاربت تجارت کرنے کی بھی اجازت دیتی ہے چنانچہ کتب حدیث و فقہ میں ابواب بیوع کے ذیل میں باب المضاربت بھی ایک مستقل باب آتا ہے۔

عقد مضاربت

مضاربت کا معاملہ درحقیقت ایسے دو فریقوں کے درمیان ایک تجارتی اور کاروباری معاہدہ ہوتا ہے جن میں سے ایک فریق چاہے وہ ایک فرد ہو یا چند افراد کے پاس سرمایہ معاشیات کی اصطلاح کے مطابق اصل (کیپٹل) موجود ہوتا ہے لیکن وہ اس سرمایہ سے کسی بھی تجارتی یا صنعتی کاروبار کرنے کی اہلیت تجربہ اور مہارت نہیں رکھتا یا وہ خود کسی بھی وجہ سے کاروبار کرنا نہیں چاہتا دوسرے فریق کے پاس۔ چاہے وہ ایک فرد ہو یا چند افراد کاروبار کرنے کی اہلیت تجربہ اور مہارت تو ہوتی ہے مگر اس کے پاس بقدر ضرورت و کفایت سرمایہ نہیں ہوتا یا وہ کسی بھی وجہ سے اپنا سرمایہ کلی یا اس کا کوئی جزو کاروبار میں لگانا نہیں چاہتا۔

معاشیات کے اصولوں کے اعتبار سے بھی اور حقیقت و واقعیت کے لحاظ سے بھی کوئی بھی کاروبار زراعت ہو، صنعت یا تجارت سرمایہ (اصل) کے بغیر نہیں کیا جا سکتا اور جتنے بڑے پیمانے پر کاروبار کیا جائے اتنا ہی زیادہ سرمایہ درکار ہوتا ہے۔

اس لحاظ سے مضاربت کے ہر دو فریق کے پاس ایک ایک عامل پیدائش دولت موجود ہے مگر دوسرے عامل کا وہ محتاج ہے ایک فریق کے پاس سرمایہ (اصل) ہے مگر محنت اور عمل کا وہ محتاج ہے فقہ اسلامی کی اصطلاح میں اس فریق کو رب المال (مال کا مالک) کہتے ہیں اور معاشیات کی اصطلاح میں اس فریق کو "اصل دار" کہتے ہیں دوسرے فریق کے پاس محنت اور عمل تو ہے مگر وہ سرمایہ (اصل) کا محتاج ہے فقہ کی اصطلاح میں اس فریق کو "مضارب" کہتے ہیں اور معاشیات کی اصطلاح میں اسے "عامل" کہتے ہیں۔

یہ دونوں فریق باہمی رضامندی سے اس سرمایہ (اصل) کے ذریعہ جس کی مقدار متعین ہوتی ہے کسی متعین یا غیر متعین کاروبار کرنے کا معاہدہ کر لیتے ہیں اور طے شدہ شرح کے مطابق جو عموماً نصف نصف ہوتی ہے مخصوص حالات میں کم و بیش بھی ہو سکتی ہے منافع کی تقسیم پر رضامند ہو کر اس معاہدہ کی دستاویز لکھ کر کام شروع کر دیتے ہیں۔

رب المال (اصل دار) طے شدہ سرمایہ جس کو فقہ کی اصطلاح میں راس المال کہتے

ہیں اور معاشیات کی اصطلاح میں اصل کہتے ہیں نقد بطور امانت مضارب (عامل) کے سپرد کر دیتا ہے اور اس میں تصرف کا اپنی طرف سے وکیل بنا دیتا ہے گویا مضارب امین بھی ہوتا ہے اور "وکیل" بھی۔ مضارب اس سرمایہ (رقم) سے کاروبار شروع کر دیتا ہے سال ختم ہونے پر دونوں فریق اپنی موجودگی میں کاروبار کا جائزہ لیتے ہیں اور کاروباری مصارف جس میں اگر بڑے پیمانہ پر کاروبار ہو تو مصارف تنظیم بھی یعنی منیجر اس کے دفتر اور عملہ کی تنخواہیں اور دوسرے مصارف بھی شامل ہوتے ہیں نیز مضارب اگر کاروبار کی ضرورت سے سفر کرے تو اس کے اخراجات سفر بھی اور اگر اپنا ہاتھ بٹانے کے لئے ایک یا چند ملازم رکھے تو ان کی تنخواہ بھی کاروبار کی ضرورت سے آمد ورفت کے اخراجات بھی غرض مضارب کے شخصی [۱] اخراجات کے علاوہ تمام کاروباری مصارف حاصل شدہ منافع میں سے منہا کرنے کے بعد جو خالص منافع بصورت نقد ہو اسے طے شدہ شرح کے مطابق آپس میں تقسیم کر لیتے ہیں اس لحاظ سے مضارب منافع میں شریک بھی بن جاتا ہے۔ گویا ابتداء میں شخص امین اس کے بعد وکیل ہوتا ہے اور آخر میں شریک بن جاتا ہے۔ اگر کاروبار میں نقصان ہو تو اس خسارہ کا مالی بار صرف رب المال کے مال پر پڑتا ہے اور مضارب کو اپنی محنت عمل اور وقت کا نقصان اٹھانا پڑتا ہے یعنی سال بھر محنت ومشقت اٹھانے کے باوجود اسے کچھ نہیں ملتا۔ جب دو فریق آئندہ سال کے لئے اگر کاروبار جاری رکھنا چاہیں تو معاہدہ کی تجدید کر لیں ورنہ ختم کر دیں اور جو اثاثہ کاروبار کی ضرورت سے راس المال میں سے خریدا گیا تھا اگر کاروبار میں منافع ہوا ہو تو مضارب بصورت نقد اس اثاثہ کو راس المال کے ساتھ شامل کر کے رب المال کو واپس کر دے اور اگر منافع نہیں ہوا مگر راس المال پورا کا پورا محفوظ ہے تو اس اثاثہ کو منافع قرار دے کر آپس میں تقسیم کر لیں اور اگر راس المال پورا محفوظ نہ ہو تو اس اثاثہ سے راس المال کے خسارہ کو پورا کر لیں اگر کچھ بچے تو بطور منافع آپس میں تقسیم کر لیں۔

مضاربت کی اس تفصیل کو سمجھ لینے کے بعد موجودہ بینکوں کو مضاربت کے طور پر

---

(۱) اگر کاروبار تنگی میں چل رہا ہو تو مضارب کا رب المال کی اجازت سے اپنے ذاتی ضروریات کے اخراجات کے لئے بقدر ضرورت رقم لے سکتا ہے جو منافع تقسیم کرنے کے وقت مضارب کے حصہ میں محسوب ہوگی اور اگر کاروبار میں خسارہ ہوا تو یہ رقم واپس کرنی پڑے گی۔ (از مصنف)

مشترک سرمایہ سے چلنے والی کمپنیوں کی شکل میں تبدیل کرنے کی صورت یہ ہوگی کہ حکومت ایک آرڈیننس یا قانون کے ذریعہ ہر بینک کے مالکان کو جنہوں نے ابتدائی سرمایہ لگا کر بینک جاری کیا اور ان تمام لوگوں کو جنہوں نے سود حاصل کرنے کے لئے بینک میں بچت یا مختلف کھاتوں میں سرمایہ جمع کیا ہے (ڈپازیٹرز) ان سب کو مضاربت کا ایک فریق یعنی رب المال (اصل زر) قرار دیدے اور ان سب کا اصل سرمایہ جو مالکان بینک نے بینک میں لگایا ہے جو ڈپازیٹرز نے بینک میں داخل کیا ہے اس تمام اصل سرمایہ کو مضاربت کا راس المال (اصل) قرار دیدے بینک نے جن کاروبار کرنے والے افراد یا پارٹیوں کو کاروبار چلانے کے لئے سود پر روپیہ ادھار دیا ہے ان سب کو چاہے ان کی تعداد کتنی ہی ہو مضارب (عامل) قرار دیدے اور بینک کے عہدہ دار ملازمین اور منتظمین کو اس تجارتی کمپنی کا ملازم اور منتظم قرار دیدے۔

اور ہر فریق کو اس انقلاب اور تبدیلی کی باضابطہ اطلاع دیدی جائے یعنی مالکان بینک اور ان تمام لوگوں کو جنہوں نے بینک میں سرمایہ جمع کیا ہے (ڈپازیٹرز) کو بتلا دیا جائے کہ بینک کو مضاربت کے طور پر مشترک سرمایہ سے چلنے والی تجارتی کمپنی کی صورت میں تبدیل کر دیا گیا ہے اور آپ کا اصل سرمایہ جس کی مقدار اتنی ہے اس تجارتی کمپنی کے سرمایہ (راس المال) میں شامل کر دیا گیا ہے جس میں فلاں فلاں کاروبار فلاں فلاں افراد یا پارٹیاں کر رہی ہیں اور آپ کو اس تجارتی کمپنی کے فریق رب المال (حصہ داروں) کا رکن (ممبر) بنا دیا گیا ہے سال پورا ہونے پر آپ کی موجودگی میں حساب ہوگا اور اس کاروبار کا خالص منافع سرمایہ کی مقدار کے تناسب سے تمام حصہ داروں پر حصہ رسد تقسیم کر دیا جائے گا آپ کو بھی آپ کی رقم کی نسبت سے سود کے بجائے تجارتی منافع ملے گا معاشیات کی اصطلاح میں اس منافع کو منقسم کہتے ہیں ہمیں یقین ہے کہ یہ منافع اس سود سے کسی طرح کم نہ ہوگا جو بینک سے آپ کو ملتا بلکہ زیادہ ہی ہوگا اور جن افراد یا پارٹیوں کو بینک نے سود پر روپیہ قرض دیا ہے اور وہ اپنا کاروبار کر رہی ہیں ان کو بتلا دیا جائے کہ آپ کے پاس جو بینک کا روپیہ ہے جس کی مقدار اتنی ہے وہ آج سے ایک مشترک سرمایہ سے چلنے والی تجارتی کمپنی کا سرمایہ ہے اور اس سرمایہ سے جو کاروبار آپ کر رہے

کاروباری طبقے زراندوزی کی لت میں مانند اس جیسے (ڈپازیٹرز) بینک سے اپنی امانتوں سے زائد (اور سود وغیرہ) قرضے لے کر بینک کے چنگل میں پھنس جاتے ہیں وہ بالکل بے بس ہوجاتے ہیں۔

مضاربت ایک ایسا طریق ہے اس میں سب قسم کی چالبازیوں اور فریب کاریوں کی قطعاً گنجائش نہیں وہ ارباب اموال (اصل زر والوں) اور مضاربین (عاملین) کے درمیان کسی بندر بانٹ کرنے والے واسطہ یعنی بینک اور بینکار کا وجود قطعی برداشت نہیں کرتا اور بطور مضاربت لگے ہوئے والے کاروبار کے متعلق (غیر یقینی اور غیر متعین) منافع اگر ہو طے شدہ شرح کے مطابق ارباب اموال اور مضاربین کے درمیان تقسیم کرتا ہے۔

غیر ملکی بینک

سودی لین دین اور سودی کاروبار کا تسلسل ایسا انسانیت کش قابل تعزیر جرم اور معاشی استحصال ہے کہ اس کی اجازت ایک اسلامی ملک میں غیر مسلم یا غیر ممالک کے افراد یا تجارتی اداروں کو اسی طرح نہیں دی جاسکتی جیسے ملک کے امن و امان کو برباد کرنے والی سرگرمیوں یا حکومت کے خلاف منافرت پھیلانے کی اجازت نہیں دی جاسکتی لہٰذا جو غیر ملکی بینک اس تبدیلی کو قبول نہ کرے اس پر حکومت فوراً قبضہ کرلے اور کسی دوسری پارٹی کو دیدے جو اس بینک کے مالکان کو ان کی جائداد و اثاثہ کی قیمت اور بینک میں لگا ہوا اصل سرمایہ بلا سود ادا کرے اور بینک کو مضاربت کے طور پر مشترکہ سرمایہ سے چلنے والی تجارتی کمپنی کے طور پر چلانے کا ذمہ لے اور یا حکومت خود جتنا سرمایہ اس بینک نے لوگوں کو سود پر دیا ہوا ہے ان لوگوں سے اصل سرمایہ بلا سود واپس لے کر ان لوگوں (ڈپازیٹرز) کو بلا سود ادا کردے جنہوں نے اس بینک میں سرمایہ جمع کیا ہوا ہو اور بینک کے مالکان کو بھی ان کا اپنا لگایا ہوا اصل سرمایہ اگر کچھ ہو اور املاک و اثاثہ کی قیمت یک مشت یا بالاقساط ادا کردے۔

سود ایک ایسا اقتصادی جرم ہے کہ جس کے منہ یہ لگ جاتا ہے اس کا چھٹکارا بڑا ہی دشوار ہوتا ہے آپ پڑھ چکے ہیں کہ سود خوری انسان کو ایسا مفت خوری کا عادی بنا دیتی ہے کہ [illegible]

کھانے کے قابل بالکل نہیں رہتا اس لئے بینکوں کو تجارتی کمپنیوں کی صورت میں تبدیلی اسی وقت ممکن ہے جبکہ دو شل لاحکومت مارشل لا آرڈیننس کے ذریعہ بیک وقت ملک کے تمام بینکوں کو تجارتی کمپنیوں میں تبدیل کر دے تاکہ سود کی اواخ میں بینکوں میں روپیہ جمع کرنے والوں (ڈپازیٹرز) کے لئے اس کے سوا کوئی راستہ نہ رہے کہ وہ تجارتی کمپنی کے حصہ دار بنیں اور سود کے بجائے منافعہ پر اکتفا کریں۔ اسی طرح بینکوں سے سود پر قرض لے کر کاروبار کرنے والوں کے لئے بھی اس کے سوا کاروبار چلانے کا کوئی راستہ نہ رہے کہ وہ ان تجارتی کمپنیوں کے عامل (مضارب) بن کر کاروبار کریں۔ ہمیں یقین ہے کہ ایک سال کا منافعہ تقسیم ہونے کے بعد ہی ہر فریق اس طریق کار سے مطمئن ہو جائے گا۔

غیر پیدا آور قرضے اور انجمن ہائے قرض حسنہ

اسی طرح ملک میں نجی طور پر سود لینے اور دینے کو بھی ممنوع اور قابل سزا معاشی جرم قرار دے دیا جائے اور غیر کاروباری ضروریات کے لئے قرض حاصل کرنے کے لئے معاشیات کی اصطلاح میں غیر پیدا آور قرضوں کے لئے حکومت اسٹیٹ بینک کی نگرانی میں انجمن ہائے قرض حسنہ ملک میں قائم کرے جو واپسی کی قابل اطمینان ضمانتوں کے بعد لوگوں کو معین شرائط کے ساتھ قرض حسنہ دیں کہ اسلامی حکومت کے فرائض میں ضرورتمندوں کے لئے قرض حسنہ کا انتظام کرنا بھی داخل ہے چنانچہ ہمیشہ اسلامی حکومت کے بیت المال (سرکاری خزانہ) میں قرض حسنہ کی مستقل مد ہوا کرتی تھی۔

محض جمع اور محفوظ کرنے کی غرض سے بینکوں میں پس انداز روپیہ جمع کرنے والے اور ان کے لئے ودیعت خانے

ایسے ضرورت مندوں کی رقموں کو محفوظ کرنے کے لئے جو اپنی پس انداز کی ہوئی رقم کو محفوظ کرنا چاہتے ہیں حکومت اسٹیٹ بینک میں ودیعت خانے قائم کر دے اور اس حفاظت پر جو ضروری مصارف ناگزیر ہوں وہ ان جمع کرنے والوں سے وصول کرے۔ ہو سکتا ہے کہ انجمن

سے قرض حسنہ کا بھی ایک شعبہ ان ودیعت خاتون کو بنایا جائے بشرطیکہ وہ کسی بھی صورت میں ان امانتوں میں تصرف نہ کرنے کی ذمہ داری لیں۔

مضاربت کی عالمگیر مقبولیت

مضاربت ہی وہ طریقہ تجارت ہے جس کے ذریعہ مسلمان تاجروں نے اپنے اچھے دور میں اپنی تجارت کا دائرہ ایشیا و افریقہ جیسے دنیا کے بڑے عظموں تک پھیلایا ہے جبکہ مغربی قومیں اس طریق تجارت سے واقف تک نہ تھیں اس لئے کہ ہر سرمایہ دار خود دنیا کے گوشہ گوشہ میں اپنے سرمایہ سے کاروبار کرنے کے لئے نہیں پہنچ سکتا ہاں مضاربت کے ذریعہ وہ اپنے سرمایہ کو انسانیت کی معاشی فلاح وبہبود کے لئے اپنے ملک میں اور بہت سی مضاربین کے ذریعہ دنیا کے گوشہ گوشہ میں پھیلا سکتا ہے اور دولت سرمایہ کی گردش جاری وساری رہ سکتی ہے۔

مسلمان تاجروں کی اس عالمگیر کامیابی کو دیکھ کر مغربی اقوام نے بھی ایک زمانہ میں اپنے ممالک میں مضاربت کے ذریعہ تجارت کرنی شروع کی ہے خاص کر ان یوروپین عیسائی قوموں نے جو سودی لین دین اور سودی کاروبار کو حرام سمجھتی تھیں مثلاً فرانس اسپین وغیرہ یعنی مشرقی ممالک چنانچہ ڈاکٹر یوسف الدین اپنی کتاب اسلام کے معاشی نظریئے ج ۱ ص: ۴۲۳ پر پروفیسر آرنسٹ میس کی کتاب ہسٹری آف بینکنگ کے حوالے سے نقل کرتے ہیں:

"کمنڈا (قراض) کی اصل عربی ہے حضرت محمد ﷺ کے زمانہ میں بھی اس کا رواج عام تھا مسلمانوں کی پوری تجارت کا یہی سرچشمہ تھا جس وقت کہ عیسائی تاجر قراض (مضاربت) کے ذریعہ کاروباری کام چلا رہے تھے بھی نہ تھے اس وقت مسلمانوں نے ایشیا و افریقہ کے بڑے بڑے علاقوں میں اس کو رواج دیا پھر روم کے عیسائی مرتب خاص کر لاطینی مشرقی ممالک اور اسپین وغیرہ میں بھی اس کا رواج عام ہوا پندرھویں صدی عیسوی میں یہ تجارتی کاروبار کرنے کا ایک نہ تغیر طریقہ بن گیا خصوصاً سود کو حرام قرار دینے کی بنا پر قراض کے بادشاہوں و دوم نے بھی اس کے متعلق قانون وضع کئے"

لہٰذا ہر اسلامی ملک کو اس معاشی تباہی سے بچائے۔ اس لحاظ سے بھی ایک اسلامی ملک کا فرض ہے کہ اس یہودی لعنت یعنی بینکاری سسٹم اور سودی کاروبار کا اپنی پاک سرزمین سے قلع قمع کرے اس کی جگہ مضاربت کے اسلامی طریق تجارت و کاروبار کو یہودیوں کے علی الرغم اختیار کرے اور ملک میں فروغ دے۔

مضاربت میں مضارب کو شخصی ضروریات اور ذاتی اخراجات کے لئے راس المال میں سے کچھ نہ دینے کی مصلحت

مضاربت میں ختم سال تک مضارب کو راس المال (اصل) میں سے اپنی نفس و عیال کے اخراجات اور دوسری ذاتی ضروریات کے لئے کچھ نہ دینے کی مصلحت یہ معلوم ہوتی ہے کہ مضارب اپنی تمام تر توانائی، مہارت اور اہلیت کاروبار کو نفع بخش بنانے میں ... صرف کرے اس یقین کے ساتھ کہ اگر اس نے ذرا بھی کوتاہی کی یا کاروبار سے غفلت برتی اور منافع نہ ہوا تو اس کی سارے سال کی محنت ضائع جائے گی اور اس کو ایک پیسہ بھی نہ ملے گا۔ یہی وجہ ہے کہ ناگہانی حادثات اور آسمانی آفات کی صورت کے علاوہ ہمیشہ مضاربت میں منافع ہوتا ہے شرعی اعتبار سے تو راس المال (اصل سرمایہ) مضارب کے پاس امانت ہوتا ہے مضارب اس میں وہی تصرف کر سکتا ہے جس کی رب المال (اصل دار) اجازت دیتا ہے۔ اسی وجہ سے اگر راس المال کسی ناگہانی حادثہ میں کل یا اس کا کوئی جز ضائع ہو جائے تو مضارب پر اس کا تاوان بالکل نہیں آتا۔

مضاربت کے متعلق ایک شبہ اور اس کا ازالہ

ممکن ہے کوئی کج اندیش سودی کاروبار کرنے والا یا بینکوں کا حامی سود خوار یہ اعتراض کرے کہ کسی بینک میں روپیہ جمع کرا کے سود لینے میں یا کسی کاروبار کرنے والے کو سود پر روپیہ ادھار دے کر سود لینے میں اور رب المال (اصل دار) کے مضارب کو کاروبار کرنے کے لئے روپیہ دے کر منافع میں حصہ بنانے میں کیا فرق ہے؟ تو وہاں (یا) نیز (امانت دار) کچھ محنت کرتا اور مشقت اٹھاتا ہے نہ یہاں رب المال کچھ محنت و مشقت کرتا ہے وہ بھی گھر بیٹھے سود لیتا ہے یہ بھی

مگر یہ منافع میں حصہ بنتا ہے یہ وہی بات ہے جو حرمت سود کے وقت عرب کے سود خوروں نے کہی تھی:

﴿انما البیع مثل الربوا﴾[1] جس کے سوا نہیں کہ بیع وشراء بھی تو سود ہی کے مانند ہے۔ اس کا جواب حاکم مطلق خالق کائنات نے تو اپنی شان جلالی کے مطابق دیا ہے: ﴿و احل الله البیع وحرم الربوا﴾[2] اللہ نے بیع وشراء کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام کیا ہے یعنی کتنا بڑا فرق ہے کہ بیع وشراء کو جس کی ایک قسم مضاربت ہے مالک حقیقی نے حلال کیا اور سود کو حرام فرمایا ہے وہی اس کی حکمت جانتا ہے تم کون فرق پوچھنے والے تمہیں کیا حق ہے اعتراض کا؟

سود اور منافع میں فرق

عرب کے سود خواروں میں پھر بھی کچھ حماقت تھی چپ ہو گئے مگر اس زمانے کے سود خوار یا ان کے ایجنٹ کب ماننے ہیں اس لئے سود اور منافع میں فرق سنئے:

① کسی بھی کاروبار میں منافع کا ہونا یقینی نہیں ہوتا نفع بھی ہوتا ہے نقصان بھی، اس کے برعکس سود سرمایہ دینے والے کو یقینی ملتا ہے چاہے کاروبار میں نقصان ہی نقصان ہو۔

② کسی بھی کاروبار میں منافع کی شرح اور مقدار متعین نہیں کی جا سکتی اس کے برعکس سود کی شرح اور مقدار سرمایہ دیتے اور لیتے کی وقت ہی متعین کر دی جاتی ہے۔

③ معاشیات کے نقطۂ نظر سے منافع وہ ہے جو پیدائش دولت کے لئے محنت ومشقت اٹھانے کے بعد حاصل ہو خواہ یہ محنت ومشقت جسمانی ہو یا ذہنی یعنی نقصان کا خطرہ مول لینا جبکہ سود بلا محنت ومشقت اور بغیر نقصان کا خطرہ مول لئے حاصل ہوتا ہے۔

④ معاشیات کی اصطلاح میں تجارت وصنعت کے اندر عامل پیدائش دولت تین ہیں:

① محنت ② اصل سرمایہ ③ تنظیم

لیکن سرمایہ (اصل) اسی صورت میں عامل پیدائش ہے جبکہ اسے کسی پیداآور کاروبار

---

[1] البقرة: ۲۷۵

[2] البقرة: ۲۷۵

تجارت یا صنعت وغیرہ میں لگایا جائے مضاربت میں رب المال (اصل دار) اپنے وکیل یعنی مضارب کے ذریعہ اپنے سرمایہ (اصل) کو تجارت یا صنعت میں لگاتا ہے اصل کا یہ شغل (سرمایہ کا یہ معاشی مصرف) معاشیات کے عین مطابق ہے اس کے برعکس سود خوار اپنے سرمایہ (اصل) کو کسی پیداآور کاروبار تجارت یا صنعت میں لگانے کے بجائے نقصان سے محفوظ اور یقینی طور پر حاصل ہونے والا اضافہ (سود) حاصل کرنے کی غرض سے اپنے سرمایہ کو زیادہ سے زیادہ بڑھانے میں لگاتا ہے اس لحاظ سے سرمایہ (اصل) کا یہ شغل (سود پر دینا) معاشیات کے مسلمہ اصول کے منافی ہے۔

⑤ سود خوار اپنے سرمایہ (اصل) کو چونکہ یقینی طور پر زیادہ سے زیادہ بڑھانے میں لگ جاتے ہیں اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ملک کا سرمایہ (اصل) سودی لین دین اور سودی کاروبار کے ذریعہ سود خواروں کے پاس سمٹتا چلا جاتا ہے اور اکتناز دولت کا سبب بنتا ہے جو ملکی اور قومی معاشی نظام کے لئے تباہ کن اور معاشی بحران کا موجب ہے اس کے برعکس مضاربت میں رب المال (اصل دار) اپنے سرمایہ (اصل) کو اپنے وکیل مضارب کے ذریعہ تجارت یا صنعت میں لگاتا ہے جو گردش دولت کا تسلسل، روزی کا سبب اور ملک کی معاشی ترقی کا موجب ہے۔

⑥ معاشیات کی اصطلاح کے اعتبار سے بیع یا مبادلہ دولت تبادلہ کی دونوں جانبوں میں "دولت" یعنی مال ہی ہوتا ہے اسی لئے معاشیین نے مبادلہ دولت کی دو ہی صورتیں بیان کی ہیں:

(۱) جنس کا تبادلہ جنس سے

(۲) جنس کا تبادلہ اس کی قیمت (زر) سے۔

فقہ اسلامی کی رو سے بھی بیع کی تعریف ہے:

"مبادلة المال بالمال بالتراضي"[1]

باہمی رضامندی سے مال کا مال سے تبادلہ کرنا۔

---

[1] کنز الدقائق، ص: ۲۰۶، کتاب البیوع، مطبع محمد یحییٰ۔ شامی: ۵۰۲/۴، ط: سعید کراچی۔

لہذا نہ معاشیات کی رو سے کچھ دیئے بغیر کسی سے مال لینے کے جواز کی کوئی گنجائش ہے اور نہ فقہ اسلامی کے لحاظ سے عوض کے بغیر مال لینے کا جواز ہے اور ظاہر ہے کہ سود خوار جس سے سود لیتا ہے اس کے عوض اس کو کچھ نہیں دیتا سادہ لفظوں میں کہئے: سود کسی بھی چیز کا معاوضہ نہیں بن سکتا لہذا قرآن حکیم کے حکم:

﴿ولا تأکلوا أموالکم بینکم بالباطل﴾ [البقرۃ:۱۸۸]

ترجمہ: تم آپس میں باطل طریقہ پر مال مت کھایا کرو۔

کے مطابق سود اکل بالباطل ہے اور قطعا حرام ہے اگرچہ باہمی رضامندی سے لیا دیا جائے بالکل ویسے ہی جیسے باہمی رضامندی سے زنا حرام اور موجب حد جرم (لائق سزا جرم) ہے اگرچہ باہمی رضامندی سے کیا جائے یا قتل نفس قابل قصاص جرم ہے اگرچہ باہمی رضامندی سے ہوا ہی نہ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ ہر معاشرہ میں سود خوار کو معاشی مجرم سمجھا گیا ہے اور لعنت وملامت کی سنگ باری سے سنگسار کیا گیا ہے۔

سرمایہ دارانہ بلاک کے معاشیین نے سود کو کسی چیز کا معاوضہ ثابت کرنے میں ایڑی چوٹی کا زور صرف کر دیا ہے مگر وہ اس سے زیادہ نہیں ثابت کر سکے کہ سود انتظار کشی کا معاوضہ ہے مگر وہ اس بات کو قطعا بھول گئے یا جان کر بھلا دیا کہ خود معاشیات کی رو سے انتظار کشی "دولت" یعنی "مال" نہیں ہے کہ سود اس کا معاوضہ بن سکے اور مبادلہ دولت کے تحت آ جائے نہ ہی یہ انتظار کشی معاشیات کی اصطلاح کے مطابق پیدا آور محنت ہے۔

بہر حال ایک اسلامی ملک کو سودی کاروبار اور بینکاری و سرمایہ کاری کے انسانیت کش معاشی جرم اور قہر الٰہی کے نتیج کو قبول کرنے والی اس لعنت سے ضرور پاک ہونا چاہئے خاص کر جبکہ اس ملک کے کاروباری طبقہ کی اکثریت دیندار ہے دل سے چاہتی ہے کہ وہ اس دینی اور دنیوی عذاب کی گرفت سے جلد از جلد آزاد ہو جائے لیکن بینکاری نظام کے تسلط کی وجہ سے مجبور و بے بس ہے۔

اب تک سودی کاروبار و بینکاری و سرمایہ کاری کو فروغ دینے والوں نے سچ یا جھوٹ

اپنی مجبوری یہ کہہ کر ظاہر کی ہے کہ:

"ہم بلا سود کاروبار کیسے کریں جبکہ علماء دین اس سودی کاروبار اور بینکاری کے بجائے کوئی ایسا متبادل نظام نہیں بتلاتے جو ملک کی معاشی ترقی کی راہ میں حائل نہ ہو"

اس عذر کو ختم کرنے کے لئے "تا تو نہ بیمار ماند" کے مصداق حجت پوری کرنے کے نقطۂ نظر سے مضاربت کا یہ متبادل نظام اور بینکوں کو مضاربت کے طور پر مشترک سرمایہ سے چلنے والی کمپنیوں کی شکل میں تبدیل کر دینے کا طریقہ اور اس کی عملی تطبیق و تنفیذ کی صورت پیش کی گئی۔

اگرچہ ملک کے موجودہ غیر سرکاری بینکوں کو ان کے مالکان اور ڈائریکٹر قہر خداوندی اور انتقام الٰہی سے بچنے کی غرض سے از خود رضاکارانہ طور پر بھی تجارتی کمپنیوں کی صورت میں تبدیل کر سکتے ہیں مگر یہ سود ایسا شکر میں لپٹا ہوا زہر ہے کہ جس کو اس کا چسکہ لگ جاتا ہے اور گھر بیٹھے بے محنت و مشقت ہزاروں لاکھوں کے وارے نیارے کر لینے کی عادت پڑ جاتی ہے اس کے منہ سے یہ لقمۂ تر چھڑانا حکومت کی طاقت کے بغیر دشوار ہے اور جب تک خود حکومت عملی طور پر اسلامی نہ ہو یعنی حقیقی معنی میں مسلمان نہ ہو اس وقت تک یہ ملک گیر نہ صرف دینی بلکہ معاشی انقلاب نہیں لایا جا سکتا ہمیں اس سے بحث نہیں کہ کس کی حکومت ہو اور کیسی حکومت ہو ہم تو ہر اس حکومت سے جو اس وقت برسرِ اقتدار ہے یا آئندہ برسرِ اقتدار آئے مطالبہ کرتے ہیں کہ اگر وہ مسلمان ہے تو سب سے پہلے اپنے مسلمان ہونے کا عملی ثبوت اس طرح دے کہ ملک کے معاشی نظام کو سود اور سودی کاروبار سے پاک کرنے کی غرض سے ملک کے تمام بینکوں کو مضاربت کے اسلامی طریق پر مشترک سرمایہ سے چلنے والی تجارتی کمپنیوں کی صورت میں مارشل لاء قانون کی طاقت سے یا کسی اور ایسے قانون کی طاقت سے جسے عدالت میں چیلنج نہ کیا جا سکے تبدیل کر دے تاکہ کم از کم اندرون ملک میں ہونے والا تمام کاروبار سودی لین دین سے تو پاک اور بینکاری سسٹم کی گرفت سے آزاد ہو جائے۔

متبادل معاشی نظام

حکومت کا سودی لین دین اور سرمایہ کاری

یہ ظاہر ہے کہ حکومت اس اسلامی ملک کو سودی لعنت اور اس کے سرچشموں یعنی بینکوں سے پاک کرنے کے لئے یہ دلیرانہ اور جرأت مندانہ قدم موثر طور پر اسی وقت اٹھا سکتی ہے جبکہ حکومت اپنے تمام محکموں اور شعبوں میں سے کم از کم اندرون ملک میں سود لینا اور دینا یک قلم ختم کردے اور اپنے تمام کاروبار حکومت کے قواعد سے مضاربت یا شراکت کے اصول پر چلائے۔

واضح ہو کہ ہم چونکہ اب تک بینکاری کے سودی نظام کے بجائے اس کا متبادل سود سے پاک ترقی اور خوشحالی کا ضامن تجارتی نظام پیش کرنے کی کوشش کر رہے ہیں اس لئے ہم نے تثمیر مال (مال کو بڑھانے) کی مضاربت کے علاوہ اور شرعاً جائز صورتیں پیش نہیں کی ہے کیونکہ بینک جن بنیادوں پر قائم ہوتے اور چلتے ہیں ان دو ہی فریق ہیں ایک سود لینے کی غرض سے بینک میں روپیہ لگانے والے ڈپازیٹرز اور جمع کرنے والے (ڈپازیٹر) میں اور دوسرے بینک سے سود پر روپیہ ادھار لے کر کاروبار کرنے والے تاجر اور صنعتکار ہیں اگرچہ بینک اور بھی متعدد طریقوں سے لوگوں کے سرمایہ یا منافع کو ناجائز استعمال کرتے ہیں مگر وہ تمام طریقے ضمنی ہیں ان دونوں میں سے پہلا فریق کاروبار کچھ نہیں کرتا صرف سرمایہ لگاتا ہے معاشیات کی اصطلاح میں اس کو "اصل دار" کہتے ہیں دوسرا فریق صرف کاروبار کرتا ہے اپنا سرمایہ بالکل نہیں لگاتا معاشیات کی اصطلاح میں اس کو "عامل" کہتے ہیں۔

مضاربت کا عقد بھی شرعاً ایسے ہی دو فریقوں کے درمیان منعقد ہوتا ہے جن میں سے ایک کا سرمایہ (اصل) ہوتا ہے فقہی اصطلاح میں اس کو رب المال کہتے ہیں دوسرے فریق کا صرف عمل (کاروباری محنت) ہوتا ہے فقہی اصطلاح میں اس کو مضارب کہتے ہیں۔

شراکتی کاروبار کی مختلف صورتیں

اس لئے فوری طور پر بینکوں کو تو صرف مضاربت کے طور پر چلنے والی کمپنیوں میں ہی تبدیل کیا جا سکتا ہے لیکن بینکوں کے علاوہ سودی کاروبار کرنے والے افراد یا پارٹیاں اگر سرمایہ بھی لگائیں اور کاروبار میں بھی حصہ لیں اور سود کے ذریعے نفع زیادہ سے زیادہ محنت کی شراکت میں کام کرنا چاہیں اسی طرح حکومت خود یا اداروں پر حکومت کے خزانہ سے کاروبار کرنا چاہے تو اس شراکت کو شریعت کی اصطلاح میں "شرکت" کہتے ہیں اور فقہاء نے قرآن و حدیث کی روشنی میں اس کی چار صورتیں تجویز کی ہیں۔

① دونوں شریک چاہے ایک فرد ہو چاہے متعدد افراد سرمایہ بھی برابر برابر لگائیں اور کاروبار میں کام بھی برابر کریں اس شرکت کا نام فقہ میں شرکت مفاوضہ ہے اس شرکت میں دونوں فریق برابر کے شریک ہوتے ہیں معاشیات کی اصطلاح کے مطابق چونکہ اصل (سرمایہ) اور محنت (عمل) میں دونوں فریق برابر کے شریک ہیں اس لئے نفع نقصان میں بھی برابر کے شریک ہوں گے۔

② سرمایہ تو دونوں شریکوں (فریقوں) کا برابر نہ ہو بلکہ کم و بیش ہو لیکن محنت کاروبار دونوں مل کر کریں اس شرکت کو فقہ میں شرکت عنان کہتے ہیں نفع نقصان میں سرمایہ کی نسبت سے یا کاروباری مہارت کی نسبت سے جو طے پائے شریک ہوتے ہیں یہ شرکت سب سے آسان اور سہل الحصول ہے۔

③ سرمایہ دونوں شریکوں میں سے کسی کے پاس بھی نہ ہو مگر دونوں شریک کسی ایک ہی یا چند ہنروں یا دستکاریوں میں ماہر ہوں اور بڑے پیمانہ پر کام کرنے کی غرض سے آپس میں شرکت کر لیں کہ دونوں مل کر گاہکوں سے اجرت پر کام حاصل کریں گے اور تیار کر کے دیں گے اور دکان کا خرچ نکال کر آمدنی آپس میں برابر کم و بیش جیسے طے پائے تقسیم کر لیا کریں گے مثلاً ایک درزی زنانہ لباس تراشنے اور سینے کا ماہر ہو اور دوسرا مردانہ لباس تراشنے اور سینے کا ماہر ہو اور دونوں مل کر ایک درزی خانہ بڑے پیمانہ پر قائم کریں جس میں زنانہ اور مردانہ ہر قسم کے لباس

تیار کئے جائیں۔

اس شرکت کا نام "شرکت الصنائع" ہے چھوٹی چھوٹی دستکاریوں پیشوں اور حرفوں کو بڑے پیمانے پر چلانے کے لئے یہ شرکت کی جاتی ہے خرچ نکالنے کے بعد آمدنی طے شدہ شرح کے مطابق تقسیم کر لی جاتی ہے۔

④ دونوں شریک نہ کسی پیشہ حرفے یا ہنر کے ماہر ہوں نہ ہی ان کے پاس بڑے پیمانہ پہ کام کرنے کے لئے سرمایہ ہو لیکن دونوں کی کاروباری ساکھ امانت و دیانت منڈی یا بازار میں ایسی قائم ہو کہ وہ بڑی مقدار میں تجارتی مال اپنی ساکھ اور اعتماد پر تھوک فروشوں سے لاکر بڑے پیمانہ پر جنرل مرچنٹس قسم کی دوکان (جنرل اسٹور) کھولیں اور دوکان کی آمدنی میں سے خرچ نکال کر منافع طے شدہ شرح کے مطابق تقسیم کر لیں اس شرکت کا نام شرکت الوجوہ ہے ان میں سے ہر قسم کی شرکت کے مخصوص شرعی احکام اور شرائط ہیں جو فقہ کی کتابوں میں بسط و تفصیل اور دلائل کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں۔

معاشیات کی اصطلاح کے مطابق پہلی دونوں قسم کی شرکتوں میں ہر شریک کی جانب سے ہر دو عامل پیدائش دولت یعنی سرمایہ (اصل) اور محنت (عمل) موجود ہیں مگر تیسری قسم کی شرکت میں صرف محنت عامل پیدائش دولت ہے اور چوتھی قسم کی شرکت میں سرمایہ (اصل) کے بجائے کاروباری ساکھ یعنی امانت و دیانت کار فرما ہے جس کو عام اصول معاشیات میں تو عامل پیدائش دولت نہیں شمار کیا گیا مگر اسلامی معاشیات میں امانت و دیانت کو جس پر کاروباری ساکھ کا مدار ہے بڑی اہمیت حاصل ہے۔

ایک سوال اور اس کا جواب

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے وہ یہ کہ اسلام نے سودی کاروبار کی تو اتنی شدت کے ساتھ مخالفت اور ممانعت فرمائی کہ جس لین دین کے معاملہ میں سود کا ذرا سا شائبہ بھی پایا گیا اس کو بھی ممنوع قرار دے دیا مگر تو فیر مال (مال کو بڑھانے) کی اتنی حوصلہ افزائی فرمائی کہ اس کے راستے اتنی کثرت سے کھول دیئے کہ ہر شخص اپنی اپنی حسب انداز کی ہوئی رقم (اصل) کو تھوڑی ہو یا

زرعی ترقیاتی بینک صنعتی ترقیاتی بینک

ہاؤس فائنانس کارپوریشن کوآپریٹو بینک

حکومت زراعت یا صنعت کو ترقی دینے کے عنوان سے کسانوں یا صنعت کاروں کو نیز مکانات تعمیر کرنے والوں کو جو سرمایہ سود پر قرض دیتی ہے اور بجز بیرونی ملکوں سے درآمد کردہ بھاری صنعتی مشنری یا کھاد اور بیج وغیرہ ان کے ہاتھ بالاقساط ادھار فروخت کرتی ہے اور ان سے سود لیتی رہتی ہے اسی طرح امداد باہمی کے طور پر روپیہ قرض دیتی اور سود لیتی ہے حالانکہ ملک میں زیادہ سے زیادہ زراعت اور صنعت کو ترقی دینا رہائش کے لئے مکانات مہیا کرنا خود حکومت کا فرض ہے بعذر یہ کیا جاتا ہے کہ حکومت خود یہ سرمایہ اور مشنری کھاد بیج وغیرہ بیرونی ممالک سے سود پر حاصل کرتی ہے اگر ایسا ہی ہے تو حکومت خود کسانوں یا صنعت کاروں کے ساتھ مل کر مضاربت کے طور پر یا شرکت کی مذکورہ بالا قسموں میں سے جو بھی حالات کے مطابق ہو اس شرکت کے طور پر کاروبار کرے اور اس کاروبار کا اتنا فیصد منافع جس سے بیرونی ممالک کے قرضے کا سود اور قسط ادا ہو خود لے لے اور باقی منافع کسانوں یا صنعت کاروں کو دے دے اور اس سے حکومتی قرضے یا سامان کی قیمت کی اقساط ادا کریں تو اس صورت میں اندرون ملک سے سود کی لعنت بھی ختم ہو جائے گی اور جائز و حلال طریقہ پر کیا جانے والی زراعت اور صنعت کو بھی حکومت کے اس تعاون باہمی سے دن دوگنی رات چوگنی ترقی نصیب ہو گی باقی شخصی رہائش کے لئے مکانات تعمیر کرنے کی غرض سے یا دوسرے غیر پیداآور مقاصد کے لئے امداد باہمی کے عنوان سے روپیہ قرض دینا اور اس پر سود لینا تو اسلامی حکومت کے لئے انتہائی شرمناک ہے۔

حکومت کے ترقیاتی منصوبے

ظاہر ہے کہ حکومت کے ترقیاتی منصوبوں کی تکمیل کے لئے کثیر اور قدر سرمایہ کی ضرورت ہوتی ہے اور عموماً اس کا بڑا حصہ نقد یا بصورت سامان مشنری وغیرہ دوسرے ملکوں کی حکومتوں سے ان کے بینکوں کے ذریعہ سود پر ہی حاصل کیا جا سکتا ہے اس لئے ان کو تو قرض دینے والے تحت سود

دینا گوارا نہیں ہے لیکن اس سرمایہ یا سامان سے مجوزہ منصوبے کے ترقیاتی کام بہر حال حکومت ملک
کے افراد یا پارٹیوں سے ہی کراتی ہے ان کو یہ سرمایہ یا سامان سود پر قرض دینے اور سود لینے کے
بجائے یہ کام ان سے مضاربت کے طور پر کرائے جائیں یعنی حکومت اور کام کرنے والی کمپنیاں یا
پارٹیاں مضاربت کے دو فریق ہوں حکومت رب المال (اصل دار) اور وہ کمپنیاں یا پارٹیاں
مضارب (عامل) اور اس کاروبار سے جو متوقع منافع حاصل ہوتا رہے وہ طے شدہ شرح کے مطابق
سال بسال دونوں فریق کے درمیان تقسیم ہوتا رہے اس تبدیلی سے سودی لعنت سے بچنے کے علاوہ
بڑا اہم فائدہ یہ ہوگا کہ حکومت بہ آسانی اور بہت جلد قرضوں کو ادا کر سکے گی اس لئے کہ اس سرمایہ
پر ترقیاتی کام کرنے والی پارٹیوں یا کمپنیوں سے جو سود ملتا ہے اس کی بہ نسبت وہ متوقع منافع جو اب
حکومت کو رب المال (اصل دار) ہونے کی حیثیت سے ملے گا وہ یقیناً بہت زیادہ ہوگا دوسری
طرف وہ ترقیاتی کام کرنے والی پارٹیاں یا کمپنیاں جب یہ محسوس کریں گی کہ اگر اس کام میں
منافع نہ ہوا تو ہماری ساری محنت و مشقت اکارت جائے گی اور ہمیں ایک پیسہ بھی نہ ملے گا تو وہ
انتہائی محنت سرگرمی اور مکمل نگرانی کے ساتھ کام کریں گی اور اپنی امکانی قوت اور توانائی اس کام کو
زیادہ سے زیادہ منفعت بخش بنانے میں صرف کریں گی۔

اور اگر کسی بھی وجہ سے یہ صورت قابل عمل نہ ہو تو پھر اجارہ پر یہ کام کرائے یعنی
کام کرنے والی کمپنیوں اور پارٹیوں کو ساز و سامان کام کی مقدار اور اس کی اجرت متعین کر کے ٹھیکہ
پر دیدے۔

بہر صورت سود کا لینا اور دینا کوئی ایسی ناگزیر چیز نہیں ہے جس سے مفر نہ ہو اگر حکومت
وقتی مسلمان ہو جائے اور دل سے سودی کاروبار یکسر ترک کر دینے کا مصمم عزم کر لے تو ملک کی
معاشی ترقی میں ذرہ برابر رخنہ اندازی کیے بغیر کم از کم اندرون ملک میں تو تمام کاروبار سودی لعنت
سے پاک ہو سکتا ہے۔

حکومت کے سودی قرضے

حکومتیں جو وقتاً فوقتاً قوم سے سود پر قرضے لیتی ہیں معاشیات کی اصطلاح کے اعتبار

سے یہ قرضے دو قسم کے ہوتے ہیں ۱۔ ایک پیداآور قرضے ۲۔ دوسرے غیر پیداآور قرضے۔

پیداآور قرضے

حکومت ملکی مصالح کے پیش نظر جو ملک کی معیشت کے لئے ضروری ہو کوئی تجارتی یا صنعتی یا مواصلاتی کاروبار کرنا چاہتی ہے بسا اوقات سرکاری خزانہ بیت المال اس کے لئے مطلوب سرمایہ فراہم نہیں کر سکتا تو حکومت اس کے لئے سرمایہ مقرر کردہ شرح سود پر اس ملک سے قرض لیتی ہے ان قرضوں کی ادائیگی کی مدت قریب یا بعید متعین ہوتی ہے۔

اس صورت میں خود حکومت سود دیتی ہے اور قرض خواہ سود لیتے ہیں اور پیغمبر اسلام ﷺ کی حدیث:

"عن جابر قال لعن رسول الله ﷺ آكل الربوا وموكله وكاتبه وشاهديه وقال هم سواء"۔[1]

ترجمہ: حضرت جابر سے روایت ہے کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے سود کھانے والے اور سود کھلانے والے اور اس کی دستاویز لکھنے والے اور گواہوں پر لعنت بھیجی ہے اور فرمایا ہے یہ سب (حرام خوری میں) برابر ہیں۔

کے تحت دونوں فریق یکساں لعنت میں گرفتار ہوتے ہیں اعاذنا اللہ منہ۔

اس لعنت سے بچنے اور نجات حاصل کرنے کا قابل عمل طریق کار یہ ہے کہ حکومت اس تجارتی یا صنعتی یا مواصلاتی کاروبار کا پورا منصوبہ اور اس پر اخراجات کا تخمینہ ماہرین سے تیار کرا کر شائع کرے اور مطلوبہ سرمایہ کے حصے (شیئرز) تجویز کر کے اس کاروبار میں شرکت کی اہل ملک کو دعوت دے جو لوگ سرمایہ میں شرکت کرنا چاہیں وہ حسب استطاعت حصص خریدیں اور تجربہ کار ماہرین صرف کام میں یعنی محنت میں شرکت کرنا چاہیں ان کو مضاربت کے طریق پر عمل میں شریک کرے اور جو لوگ سرمایہ اور عمل دونوں میں شرکت کرنا چاہیں ان کو دونوں میں شریک کرے فقہی اصطلاح کے مطابق یہ شرکت شرکت عنان ہوگی حکومت مال یا سامان مقوم ملا کر سرمایہ یا عمل یا دونوں میں

[1] صحیح مسلم: ۲۷/۲ کتاب المساقاۃ والمزارعۃ باب الربوا ط: قدیمی کراچی۔

نسبت سے طے شدہ شرح کے مطابق تقسیم ہوتی رہے۔

معاشی نقطۂ نظر سے بھی یہ صورت ملک کی اقتصادی ترقی اور معاشی خوشحالی کے لئے بہت مفید اور بے روزگاری کو ختم کرنے میں ممد ومعاون ہوگی اور سب سے بڑا معاشی فائدہ یہ ہوگا کہ ملک کا سرمایہ برابر گردش میں رہے گا جمع ہونے نہ پائے گا۔

ضرورت اہل ملک کو اعتماد میں لینے کی ہے اس کے بعد نہ صرف سودی قرضوں کی بہ نسبت بہت زیادہ سرمایہ بلکہ بامہارت محنت اور فنی مہارت بھی حکومت کو بآسانی میسر آسکے گی، اور رشوت دینے اور لینے کے راستے بھی بڑی حد تک مسدود ہوجائیں گے۔

معاشیات کی اصطلاح کے مطابق اس قسم کے کاروبار میں عوامل پیدائش دولت تین ہوتے ہیں:

(۱) ایک سرمایہ (اصل) (۲) دوسرے محنت (۳) تیسرے تنظیم

سود پر قرض سرمایہ حاصل کرنے کی صورت میں حکومت کو صرف ایک عامل پیدائش یعنی سرمایہ حاصل ہوتا ہے اس سرمایہ کے مہیا کرنے والے افراد کو ظاہر ہے کہ کاروبار کے نفع نقصان سے کوئی دلچسپی نہیں ہوتی اس لئے کہ کاروبار میں چاہے نفع ہو چاہے نقصان ان کو طے شدہ شرح پر سود ملے گا اسی سے انہیں دلچسپی ہوتی ہے اس کے برعکس شرکت کی صورت میں حکومت کو دو عامل پیدائش یعنی سرمایہ (اصل) اور محنت میسر آتے ہیں ظاہر ہے کہ حکومت قرض لے کر کاروبار کرنے کی صورت میں لامحالہ "محنت" کو اجرت پر حاصل کرے گی یا اجارہ یعنی ٹھیکہ پر دونوں صورتوں میں کاروبار کے نفع نقصان سے ان کو کوئی دلچسپی نہ ہوگی وہ اپنی اجرت یا اجارہ وٹھیکہ کی حد تک کام کریں گے۔

اس کے برعکس شرکت کی صورت میں چونکہ وہ بھی کاروبار کے مقسوم منافع کے حصہ دار ہوں گے اس لئے اپنی پوری توانائی کاروبار کو زیادہ سے زیادہ بارآور اور منفعت بخش بنانے میں صرف کردیں گے تاکہ زیادہ سے زیادہ منافع حاصل کرسکیں۔

غیر پیداآور قرضے

حکومت اس قسم کے قرضے ملک اور قوم کی ان ہنگامی ضروریات کو پورا کرنے اور ناگہانی حادثات کا تدارک کرنے کے لئے بھی لیتی ہے جن سے حکومت کو آمدنی مطلق نہیں ہوتی خرچ ہی خرچ ہوتا ہے مثلاً طوفانی سیلابوں سے تباہ شدہ بستیوں کی آبادکاری شاہراہوں اور پلوں وغیرہ کی مرمت اور اس کے علاوہ ملک گیر قومی و ملکی ضروریات۔

اگر حکومت کے خزانہ میں ان ہنگامی اخراجات کے لئے سرمایہ نہ ہو تو سود پر قرض لینے کے بجائے ملک کے بڑے بڑے سرمایہ داروں کے فاضل سرمایوں پر جن کا حکومت کو علم ہوتا ہے ہنگامی ٹیکس ایسے طریقہ پر لگا کر کہ وہ اس ٹیکس کا بارگرانی کی شکل میں عام صارفین پر نہ ڈال سکیں ان اخراجات کے لئے سرمایہ حاصل کر سکتی ہے اس لئے کہ ملک کی معاشی فلاح و خوشحالی کی منفعت عوام کی بہ نسبت بدرجہا زیادہ یہی سرمایہ دار طبقہ حاصل کرتا ہے عوام کو تو زیادہ سے زیادہ ضروریات زندگی اور ضروریات کاروبار میں ہی فراخی میسر آتی ہے سرمایہ دار طبقے کے اصل (فاضل سرمایہ) میں چند در چند اضافے ہوتے ہیں اس لئے ان اخراجات کا بار بھی انہی پر ڈالنا قرین عدل و انصاف ہے۔

ملک کا سب بڑا سودی لین دین کرنے والا ساہوکار

کہتے ہیں اور واقعہ بھی یہی ہے کہ سب سے بڑا سودی لین دین اور سودی کاروبار کرنے والا مہاجن خود حکومت ہے کہ وہ سود کے بغیر کسی کو ایک پیسہ دیتی ہے نہ لیتی ہے حکومت کو ہر قسم کی رقومات ادا کرنے کا طریقہ بھی یہ ہے کہ رقم اسٹیٹ بینک میں یا حکومت کے نامزد کردہ بینکوں میں جمع کی جائے اور بینک سے چالان لاکر متعلقہ محکمہ میں داخل کیا جائے حتیٰ کہ حج جیسی مقدس عبادت کی درخواست کے ساتھ مصارف حج کی رقومات بھی بینکوں میں جمع کی جاتی ہیں اسی طرح جو حکومت کے ذمہ واجب الاداء رقومات حکومت سے لی جاتی ہیں ان کے بل بھی متعلقہ محکمہ سے پاس کرا کے اسٹیٹ بینک سے وصول کی جاتی ہیں حتیٰ کہ سرکاری و نیم سرکاری

دفتروں کے ملازمین کی تنخواہیں، تعلیمی اور رفاہی اداروں کی امدادی رقومات (فنڈ) بھی متعلقہ
دفتروں اور اداروں کے بجائے بینک سے وصول کی جاتی ہیں اور بینک تو ظاہر ہے کہ ہر اس رقم پر جو
اس کو دی جائے یا اس سے لی جائے سود کے بغیر نہ دیتا ہے نہ لیتا ہے۔

اسی پر بس نہیں بلکہ حکومت تو ملک کے وسائل اور سرمایہ ترقیاتی منصوبوں کے لئے
گرانقدر رقومات فراہم کرنے کی غرض سے علانیہ طور پر اخبارات میں ترغیب و تحریص کے ذریعہ
نوع بنوع انداز اختیار کر کے غیر معمولی شرح سود پر مختلف المیعاد قرضے قوم سے حاصل کرتی رہتی ہے
غرض خود حکومت نے قوم کو سود خوری یعنی حرام خوری کا ایسا عادی بنا دیا ہے کہ وہ بچے ہوئے اندوختہ
کئے ہوئے ہر پیسہ کو سود کی طمع اور لالچ میں حکومت کے بونڈز خریدنے یا بینکوں میں جمع کرنے
کے سوا شغل اصل یہی، پس انداز سرمایہ کو کاروبار میں لگانے کے کسی اور جائز و حلال طریقے سے واقف
ہی نہیں رہی۔

حقیقت یہ ہے کہ اس اسلام کے نام پر حاصل کئے جانے والے ملک کا آزادی کے
بائیس سال گزر جانے کے باوجود نہ صرف معاشی اور مالی نظام خالص سرمایہ دارانہ ہے بلکہ آج
تک اس برائے نام اسلامی ملک میں جتنی حکومتیں برسر اقتدار آئی ہیں ان کا پورا نظام حکومت سو
فیصد سرمایہ دارانہ رہا ہے اور سرمایہ دارانہ معاشی و مالی نظام کا سنگ بنیاد سرمایہ داری اور سرمایہ کاری
ہوتا ہے جس کا بینکاری سسٹم اور سود کے بغیر تصور بھی نہیں کیا جا سکتا اس لئے نہ صرف ملک کا تمام
معاشی کاروبار تجارت ہو یا صنعت یا زراعت سود پر چل رہا ہے بلکہ حکومت کا سارا کا سارا مالی نظام
سودی لین دین پر قائم ہے اور بینکاری سسٹم کی بدولت سودی کاروبار کا اتنا زبردست تسلط ہے کہ
کوئی خدا ترس کاروباری سود لئے دیئے بغیر کاروبار کرے بھی تو نہیں پنپ سکتا اسی طرح کوئی خدا
ترس ملازم پیشہ کسی بھی محکمہ میں کوئی ایسی ملازمت کرنا چاہے جس میں بینک کی وساطت کے بغیر
تنخواہ مل سکے تو وہ ہرگز کامیاب نہیں ہو سکتا اس لئے درحقیقت ملک اور اس کی معیشت اس سرمایہ
دارانہ معاشی نظام اور سود کی لعنت سے اسلام کا معاشی مالی اور سیاسی نظام اختیار کئے بغیر پاک ہو
ہی نہیں سکتی۔ [یاد رہے مضمون ۱۹۷۰ء میں لکھا گیا ہے]

لیکن اسلامی معاشی مالی اور سیاسی نظام کو موجودہ ملک گیر سرمایہ دارانہ اور استعماری
نظام کی جگہ نافذ کرنا اور صحیح معنی میں اسلامی حکومت قائم کرنا انتہائی کٹھن بیحد دشوار اور دیر
آزما کام ہے اگر آج ہی سے حکومت اور قوم دونوں مل کر بھی اس مقصد کے لئے دل و جان سے جد
وجہد اور سرتوڑ کوشش کریں تب بھی ملی اور قومی زندگی کے ہر شعبہ میں موجودہ غیر اسلامی اور
سامراجی نظام کے بجائے اسلامی نظام کو نافذ کرنے کے لئے کم از کم بیس سال چاہئیں۔

اس لئے کہ پاکستان میں آباد مسلمانوں کے موجودہ تمام طبقے تعلیم یافتہ ہوں یا غیر تعلیم
یافتہ' کاروباری ہوں غیر کاروباری' سیاست داں ہوں یا غیر سیاست داں' حکمران ہوں یا محکوم'
فوجی ہوں یا سول' غرض پوری موجودہ نسل وہ ہیں جنہوں نے انگریزوں کی غلامی اور محکومی کے
ڈیڑھ سو سالہ منحوس دور میں آنکھ کھولی اور انہی کی زیر تعلیم و تربیت ان کے ذہن و فکر نے نشوونما
پائی زندگی کے ہر شعبہ میں انہوں نے جو کچھ جانا اور سیکھا بلاواسطہ یا بالواسطہ انگریزوں اور یورپین
قوموں سے جانا اور سیکھا ہے حکمرانوں نے ملک پر حکومت کرنے کے طور طریقے اپنے حکمران
انگریزوں سے سیکھے سول سیکریٹریٹ کے افسران نے دفتروں اور حکومتی اداروں میں کام کرنے کے
انداز اپنے افسر انگریزوں سے سیکھے' عدلیہ کے ججوں نے فوجداری اور دیوانی عدالتوں
میں مقدمات کے فیصلے کرنے کے طور طریقے اور بیرسٹروں' وکیلوں نے مقدمات کی پیروی کرنے
کے طریقے اور قانون کی تعلیم بلاواسطہ یا بالواسطہ انگریز اساتذہ اور یورپین مصنفین کی کتابوں سے
حاصل کی ہے۔ ملکی مدارس' کالجوں اور یونیورسٹیوں میں تمام عمرانی علوم و فنون' سائنس' فلسفہ' معاشیات'
سیاسیات' تجارت' صنعت و حرفت وغیرہ کی تعلیم دینے والے پروفیسروں اور اساتذہ نے ان تمام
علوم و فنون کی تعلیم بالواسطہ یورپین مصنفین عیسائیوں اور یہودیوں کی تصانیف سے اور بلاواسطہ
انگریزوں اور یورپین استاذوں سے حاصل کی ہے اسی طرح ملک کے تاجروں اور بیوپاریوں نے
ملکی اور غیر ملکی تجارت اور درآمد و برآمد کے طور طریقے' تھوڑے سے سرمایہ سے یا بغیر سرمایہ کے
بڑے پیمانے پر کاروبار کرنے اور اس کو فروغ دینے کے ہتھکنڈے صنعت کاروں' کارخانہ داروں'
ملوں اور فیکٹریوں کے مالکوں نے ہر قسم کی صنعت خصوصاً بڑی اور بھاری صنعتوں کو عہد حاضر کے

مدد پر زور دے کر اور ترقی دینے کے طور طریقے جو طرز زندگی کے ہر شعبہ میں دخل سے لے کر اوپر تک خواہ شخصی اور انفرادی ہو خواہ قومی اور اجتماعی پاکستانی قوم نے اور حکومت نے بھی شعوری یا غیر شعوری طور پر انگریزوں اور امریکیوں وغیرہ کی سامراجی قوموں کی ہر بات میں تقلید کر رہی ہے۔ یوں کہئے کہ تو ہم ایک آزاد قوم ہیں مگر ہمارا ذہن، فکر، معیشت و معاشرت اور اس کے نتیجہ میں اخلاق و کردار یورپ کی سامراجی قوموں کا غلام ہے۔ زندگی کے ہر شعبہ میں ترقی کے ہر منصوبہ میں ہم انہی کی رہنمائی کی طرف دوڑتے ہیں اور انہی کے بتلائے ہوئے طریقوں پر آنکھیں بند کر کے چلے جا رہے ہیں۔

اور ظاہر ہے کہ ان یورپین سامراجی قوموں کا نظام معیشت و معاشرت خالص سرمایہ دارانہ ہے اس لئے آزادی کے پچاس باون سال گذر جانے کے باوجود ہمارا بھی نظام معیشت و معاشرت خالص سرمایہ دارانہ ہے جس کا ستون بنیاد سودی کاروبار اور بینکنگ سسٹم ہے اس لئے ہماری حکومت کا تمام کاروبار بھی سود پر چل رہا ہے وہ سود لیتی بھی ہے اور دیتی بھی ہے اس لئے فی الحقیقت سب سے بڑا مجرم اور سود خور پاکستان کی حکومت ہے۔

نظام حکومت کی تبدیلی کے دیر آمد ہونے کی وجہ

ظاہر ہے کہ جس نسل کے ذہن، فکر اور اخلاق و کردار کو انگریزوں نے ڈیڑھ سو سال کے اندر علمی و عملی تعلیم و تربیت کے ذریعہ تدریجی طور پر سرمایہ دارانہ نظام حکومت اور نظام معیشت و معاشرت کے سانچہ میں ڈھالا اور ٹرینڈ (Traned) کیا ہے یعنی انگریز بنایا ہے اس کو تبدیل کرنے اور ملکی و مالی اسلامی نظام حکومت، اسلامی معاشی و اقتصادی نظام، اسلامی نظام عدل (عدالتی نظام) وغیرہ سے اس نئی نسل کو علماء نے عملاً واقف کرتے یعنی حقیقی معنی میں مسلمان بنانے اور تدریجی طور پر اس کو نافذ کرتے تو کم از کم پچاس سال تو چاہئیں۔

''اسلامی حکومت'' اسلامی معاشی نظام اور اسلامی ملکی و مالی قوانین کے نافذ کرنے کے تمام نعرے سب انتخابی نعرے ہیں جو الیکشن میں زیادہ سے زیادہ کامیابی حاصل کرنے اور اپنی پارٹی کی حکومت قائم کرنے کے لئے لگائے جا رہے ہیں عملی اعتبار سے ان کی کچھ حقیقت نہیں ان

نئے حکمران لیجئے کہ کوئی بھی اچھے نعرے لگانے والی پارٹی برسر اقتدار آ جاتی ہے اور اپنی حکومت
قائم کر لیتی ہے تو وہ کہاں سے علماء کی موجودہ زمانے کے تقاضے کے مطابق قانونی شکل میں مدون
شدہ اسلام کے ملکی، مالی اور عدالتی قوانین، اسلام کا اقتصادی و معاشی نظام زراعت، تجارت اور
صنعت سے متعلق مدون شدہ شرعی احکام جن کو فوری طور پر ملک میں نافذ کر سکے اور کہاں سے
لائے گی ان اسلامی قوانین کو نافذ کرنے کی اہمیت رکھنے والے سول سکرٹریٹ کے افسران،
عدالتوں کے جج اور حکام جو ان اسلامی قوانین کو نافذ کر سکیں اور کہاں سے لائے گی وہ کاروباری
لوگ ملکی اور غیر ملکی تجارت کرنے والے صنعت کار، کاشتکار اور زمیندار جو اسلام کے معاشی نظام
کے مطابق ملک کی زراعت، تجارت اور صنعت کو اسلامی معاشی نظام کے سانچے میں ڈھال
سکیں اور فروغ دے سکیں یہی حال زندگی کے تمام شعبوں کا حال ہے۔

لامحالہ یہ پارٹی برسر اقتدار آنے کے بعد اسلامی حکومت اور اسلامی معاشی نظام کے
نام سے اسی سرمایہ دارانہ استعماری نظام اور اسی کے رجال کار کو برقرار رکھنے پر مجبور ہوگی اور ملک
کی حکومت اور نظام کاروبار اسی سرمایہ دارانہ اور استعماری نظام کے تحت چلتا رہے گا اور آئے دن
حکومتوں کی اکھاڑ پچھاڑ، سیاسی کشمکش اور معاشی بحران کا شکار ہوتا رہے گا۔

صحیح معنی میں اسلامی حکومت قائم ہونے کی تدبیر

اس لئے یہ تمام تبدیلیاں تدریجی طور پر لائی جا سکتی ہیں ان کے لئے سب سے پہلے تو
علماء کا فرض ہے کہ وہ قرآن و حدیث اور فقہ اسلامی کی تعلیمات کی روشنی میں انسانی زندگی کے تمام
انفرادی اور اجتماعی شعبوں پر حاوی مکمل اسلامی قانون اور عصری علوم خصوصاً معاشیات موجودہ زمانے
کے تقاضوں کے مطابق مدون کریں اور اس کے بعد اگر برسر اقتدار حکومت کسی بھی پارٹی کی ہو۔
واقعی مسلمان ہو اور درحقیقت ان کے اور ملک و قوم کے تمام طبقات کے دلوں میں خدا کا ڈر
آخرت کا خوف اور ہر طرح کے معاشی بحران سے محفوظ و مامون اور ترقی کا ضامن سیاسی اور
معاشی نظام قائم کرنے کا جذبہ صادق کارفرما ہو اور حکومت اور قوم کے تمام طبقے اپنے اپنے دائرہ
اور حلقہ میں تدریجی طور پر اپنی زندگی کے تمام انفرادی اور اجتماعی شعبوں کو اسلامی احکام و قوانین

کے مطابق بنانا چاہئے تب جا کر رفتہ رفتہ پاکستان میں صحیح معنی میں اسلامی حکومت قائم ہو سکتی ہے۔

اگر ایسا نہ ہو!

لیکن اگر یہ خواب شرمندہ تعبیر نہیں ہوتا اور یہ حکومت قائم نہیں ہوتی تب بھی دین اسلام میں اتنی لچک اور اتنی سہولتیں اور آسانیاں رکھی ہوئی ہیں اور یہی اس دین کے دین فطرت ہونے کی دلیل ہے اللہ پاک کا ارشاد ہے: ﴿وما جعل علیکم فی الدین من حرج﴾[1] اللہ کے دین میں مطلق تنگی نہیں ہے۔ کہ ملک اور قوم کا ہر دو رعایا اور حکام یہ سب طبقے جس کے دل میں خدا کا خوف اور آخرت کی پکڑ کا ڈر کارفرما ہے وہ حکومت سے بے نیاز ہو کر بھی اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی اور معاشی کاروبار کو زراعت ہو یا تجارت یا صنعت اسلامی احکام کے مطابق جاری رکھ سکتے ہیں جیسا کہ ہم اس مضمون میں بار بار اس کی وضاحت کر چکے ہیں اور یہی اس نامہ فرسائی اور سمع خراشی کا واحد مقصد ہے کہ رعایا کے طبقے حکومت کے ملکی اور مالی نظام کی پرواہ کئے بغیر باہمی تعاون اور رضامندی سے شریعت کے احکام کے مطابق ہر قسم کے بینکوں اور سودی کاروبار کو مضاربت یا شرکت کے اصول پر خصوصاً شرکت عنان، شرکت صنائع اور شرکت وجوہ جن کی تعریف و تفصیل آپ گزشتہ صفحات میں پڑھ چکے ہیں بآسانی جائز اسلامی کاروبار کی شکل میں تبدیل کر سکتے ہیں اور ہر قسم کا تجارتی، صنعتی اور زراعتی کاروبار چھوٹے پیمانے پر بھی اور بڑے پیمانے پر بھی بخوبی جاری رکھ سکتے ہیں۔ آج جاگیردار، کارخانہ دار اور مزدور کے باہمی تنازع اور کشمکش کو اجارہ کے شرعی احکام کے تحت بآسانی ختم کیا جا سکتا ہے زمیندار و کاشتکار بھی اپنے باہمی معاملات عدل و انصاف پر مبنی اسلامی احکام مزارعت کے تحت کسی دوسرے کی مداخلت کے بغیر باہمی رضامندی اور تعاون کے مخلصانہ جذبہ سے طے کر سکتے ہیں اور موجودہ معاشی بحران کی تباہ کاریوں سے محفوظ و مامون ہو سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ توفیق عمل عطا فرمائے۔

حسبنا اللہ ونعم الوکیل نعم المولیٰ ونعم النصیر

---

[1] الحج: ۷۸